شعبۂ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۸ شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ ★ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۶۸ء

تعمیر حیات

★ قیمت فی پرچہ ۲۵ پیسے ★ سالانہ چندہ آٹھ روپیہ

اڈیٹر — سید محمد الحسنی
معاون — سعید الاعظمی ندوی

حشرِ جذبات

(جناب ثاقب کانپوری)

بیکسی میں جو مسکرائے ہیں
اپنے حالات یاد آئے ہیں

میکشو اٹھو، احترام کرو
آج ہم میکدے میں آئے ہیں

اتنی حیرت ہوئی ہے پاکے تجھے
ہم نہ روئے نہ مسکرائے ہیں

بُعد بڑھتا گیا ہے اتنا ہی
جتنا بھی وہ قریب آئے ہیں

داد دے ہمکو اے غمِ حرماں!
ہجر میں اسکے مسکرائے ہیں

بن گئے سرخیِ وفا وہ بھی
اشک فرقت میں جو بہائے ہیں

کاش صیاد دیکھ لے ان کو
نقشِ دامن پہ جو بنائے ہیں

دستِ ساقی نے ہمکو تھاما ہے
جب کبھی پاؤں ڈگمگائے ہیں

ہم پہ طاری ہے حیرتِ جلوہ
کس کی محفل میں آج آئے ہیں

عشق جس سے لرزہ بر اندام
میں نے الزام وہ اٹھائے ہیں

اٹھ گیا اعتبارِ ہستی بھی
ہم نے اتنے فریب کھائے ہیں

یاد کر یادگردشِ دوراں
تو نے کتنے نشاں مٹائے ہیں

جلد ۶ — شمارہ ۱

پندرہ روزہ ۱۵

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۸ شعبان المعظم سنہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۰ نومبر سنہ ۱۹۶۸ء

اس شمارے میں

عنوانات	مضمون نگار	صفحات
اداریہ	سید محمد الحسنی	۳ - ۴
دعوتِ اسلامی		
قرآن کا پیام	مولانا عبد الماجد دریابادی	۵
یک دو ساعت	" سید ابو الحسن علی ندوی	۶
تقریر مولانا محمد یوسف	مرتبہ: شمس تبریز خاں	۷
ہمارے مسائل		
ملتِ اسلامی کی تنظیم	صوفی نذیر احمد کاشمیری	۸ - ۹
عالمِ اسلامی		
بدر کا معرکہ	ترجمہ: سید ضیاء الحسن ندوی	۱۰ - ۱۱
زیتون کے درخت	" اقبال احمد اعظمی ندوی	۱۲
یادِ رفتگاں		
رئیس احمد جعفری	شمس تبریز خاں	۱۳
مطالعہ و تحقیق		
حضرت زینبؓ	ڈاکٹر احتشام احمد ندوی	۱۴
یروشلم	خاور شناس	۱۵
مہمات		
نیل کے مجاہد	ترجمہ: صبا لئیق تسنیم ندوی	۱۶
فکر و اخبار		
گردو گوں دالکر	"	۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آگ کے خلاف ریزولیوشن!

از — سید محمد الحسنی

اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جائے اور وہ آگ بجھانے کی عملی تدبیریں کرنے کے بجائے احتجاجی جلسہ کر کے آگ کے خلاف سخت ریزولیوشن منظور کرے یا آگ کی خدمت میں کوئی وفد لیکر جائے اور میمورنڈم پیش کرے یا آگ سے یہ امید رکھے کہ جیسا جیسا وقت گذرے گا آگ خود بخود ٹھنڈی ہو جائے گی یا آگ سے یہ توقع رکھے کہ وہ ہمیں چھوڑ دے گی اور صرف دوسروں کو جلائے گی یا آگ سے یہ آس لگائے کہ وہ خود دوڑ کر آگ بجھائے گی اور خوشامد و تعریف سے بھیگ کر ٹھنڈی ہو جائے گی تو آپ ایسے شخص کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے اور اس کی جگہ آپ کے نزدیک کہاں ہونی چاہیے، آپ یقیناً ایسے شخص کو پاگل، قاتل، اور اپنی جان کا دشمن کہیں گے اور اس کے دماغی فتور میں آپ کو ایک سکنڈ کے لئے بھی شبہ نہ ہوگا۔

لیکن اگر یہی بات اجتماعی اور سیاسی سطح پر پیش آئے، ملک میں نفرت و تعصب، ظلم و نا اتفاقی، خود غرضی اور موقع پرستی، اقتدار کی ہوس، اور دولت کی پرستش کی آگ بھڑک رہی ہو۔ تو اس کے بجھانے کے لئے ٹھیک اس رویہ کو جسکو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم جنون، پاگل پن اور خودکشی کہہ رہے تھے، عین دانشمندی، مصلحت شناسی اور دور اندیشی سمجھتے ہیں، ہمیں اس میں کوئی تکلف اور حجاب محسوس نہیں ہوتا، اور ہم ایک منٹ کیلئے بھی یہ سوچنے کے روادار نہیں ہوتے کہ جو چیز انفرادی دائرہ میں جنون و پاگل پن اور خودکشی تھی وہ اجتماعی چوکھٹے میں آکر دانشمندی اور دور اندیشی کیسے بن گئی؟

بدقسمتی سے ہمارا پورا ملک اس کمزوری میں مبتلا ہے۔ ہندو مسلمان سب نے اس ملک کے ساتھ یہی عجیب و غریب اور مضحکہ خیز رویہ اختیار کر رکھا ہے اور اس جلتے ہوئے گھر کی آگ کے سامنے بیٹھ کر تاپنے میں ہمیں کوئی شرم محسوس نہیں ہو رہی ہے، جو کسی دشمن کا گھر یا درندوں کا بھٹ نہیں خود ہمارا نشیمن اور چمن ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے اس مسئلہ میں سب سے زیادہ دماغی کمزوری کا ثبوت دیا ہے۔

اس ملک کی آزادی اور اس آشیانہ کی تعمیر کے بعد سب آگے بڑھکر اپنا حق لے لیا سب نے اس میں اپنی جگہ محفوظ کر لی سب نے برابر کے شہری اور شریکِ حکومت کی حیثیت سے اپنے حقوق حاصل کئے اور اس کے لئے ہر قسم کی آئینی جد و جہد اور کسی سیاسی قانونی حربہ کو استعمال کرنے میں پس و پیش نہیں کیا اور اگر انہوں نے یہ دیکھا کہ اس سے کام نہیں چل رہا ہے تو غیر آئینی طریقے اختیار کرنے، من مانی کرنے بلکہ نافرمانی اور بغاوت کا طرز اختیار کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہ کی، جنوبی ہند کی ریاستیں، آسام کے قبائل اور ملک کی تمام علاقائی تنظیمیں اور سینا میں اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہیں،

مسلمان اس کے بالکل دوسرے سرے پر تھے یہ صحیح ہے کہ آگ کو آگ لگا کر اور مزید بھڑکا کر یا نفرت و بغاوت کے رجحانات کو ہوا دیکر حل نہیں سمجھا یا جا سکتا ←

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ آگ کو اس کے خلاف ریزولیوشن منظور کرکے یا اس کی خدمت میں ۴۰ لاکھ دستخطوں کا وزنی میمورنڈم کو پیش کرکے بھی نہیں بجھایا جاسکتا بلکہ اگر یہ کاغذی میمورنڈم بار بار اسکو پیش کیا گیا یا اس سے زیادہ قریب کر دیا گیا تو وہ کاغذ کے اس بے حقیقت پرزہ کو بھی جلا کر خاک کر دے گی، یہ آگ نہ آگ لگانے سے بجھے گی نہ اپنے حقوق کا سعادت مندی کے ساتھ مطالبہ کرتے رہنے سے، یہ تو صرف پانی سے بجھے گی۔ یہ پانی کیا ہے عمل اور آئینی جد وجہد، محبت وقربانی، ہمت وجرأت، ملک ووطن سے سچی محبت، ایمانداری وبے غرضی، خدا ترسی اور حق پرستی۔

۱۲ سال کا عرصہ ہو رہا ہے مسلمانوں کا رویہ اپنے حقوق کے سلسلہ میں ہمیشہ کاغذی ہی رہا، کبھی ہم یہ سمجھتے رہے کہ احتجاجی جلسے کرنے اور گرم گرم ریزولیوشن منظور کر لینے سے یہ آگ بجھ جائے گی کبھی ہم ایک وفد بنا کر اس کی خدمت میں گئے کہ ہمارا گھر جلتا چلا جا رہا ہے ہمارا سارا ثقافتی اور ملی ورثہ نذر آتش ہو رہا ہے، ہمارے دین و ایمان کی کتابیں جو ہم اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں جل رہی ہیں ہمارے بڑے بڑے تعلیمی ادارے خطرہ کی زد میں ہیں اور اگر زیادہ دیر لگی تو وہ ہمارے کسی کام کے نہ رہ جائیں گے کبھی ہم نے منطقی دلائل اور تاریخی حقائق کا سہارا لیکر اس کو قائل کرنا چاہا کبھی ہم نے یہ سوچا کہ جسطرح سکریٹریٹ کے بعض اعلیٰ افسر اور حکومتوں کے سربراہ کسی فائل کو جس کے لئے بہت قوت فیصلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی کبھی فائلوں کے انبار میں سب کے نیچے دبا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں مرور زمانہ سے یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا یا کم از کم یہ کہ اس سے ان کا پیچھا چھوٹ جائے گا، ہم بھی اس آگ کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ شاید مرور ایام سے وہ بجھ بجھا جائے، کبھی ہم نے خود غرضی اور کوتاہ بینی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ ہمارا اپنا گھر تو ابھی اس آگ کی دسترس سے بہت دور ہے، شاید یہاں تک پہونچنے کی نوبت ہی نہ آئے، کبھی ہم نے سوچا کہ آگ بھی خدا کی مخلوق ہے، اس میں بھی معقولیت وشرافت کا کچھ ذرہ ضرور ہوگا کیا نہ اس کے اس جذبۂ شرافت کو بیدار کرکے اپنا کام نکالا جائے۔ غرض اس پورے طویل عرصہ میں ہمارے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہا اور ہماری پوری پولیسی اسی رہ نوردی کے دوران تیار ہوتی گئی۔

ہم نے یہ کبھی نہ سوچا کہ آگ بجھانے کے لئے نہ کسی کا انتظار کیا جاتا ہے، نہ سہارے تلاش کئے جاتے ہیں نہ کسی سے پوچھ پوچھ کر آگ بجھائی جاتی ہے، اس کے لئے ہاتھ پیر مارنے کی ضرورت ہے پانی حاصل کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کی ضرورت ہے، کچھ تکلیف اٹھانے اور قربانی دینے کی ضرورت ہے۔

اس آبلہ پائی اور صحرا نوردی کے بعد اب ہم مسلمانوں کا کوئی عذر، کوئی تاویل، کوئی منطق اور کوئی فرسودہ نسخہ قابل قبول نہیں۔

اب ہمارے سامنے صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ زندہ رہنے کا فن سیکھو اور اپنی مدد آپ کرو، دوسروں کے دریوزہ گر نہ بنو — خلق خدا کو نفع پہونچانا اور راستہ بتانا سیکھو زندگی ایک فن اور سلیقہ ہے اس کے کچھ آداب اور شرائط ہیں، زندگی نہ درندوں کا مسلک ہے نہ بزدلوں کا یہ بہادر شریف، بااصول، اور صاحب ضمیر انسانوں کی طرح انسانیت عامہ کی بے لوث خدمات کا نام ہے وہ انسانیت جس میں رنگ ونسل ملک وقوم اور زبان وتہذیب کی کوئی تفریق نہیں۔

یہ اپنے جائز اور اصل مقام کے حصول کے لئے ہر قسم کی آئینی قانونی، سیاسی جد وجہد اور اپنی صلاحیتوں، اپنی قدر وقیمت اپنے وزن اور اپنے کردار کے صحیح شعور اور اسکے بھرپور استعمال کا نام ہے۔

اسکی اساس، خود اعتمادی، خودنگری اور خودشناسی پر ہے گلہ اور شکوہ اس کے مسلک میں حرام اور اپنی قسمت کو دوسروں کے ساتھ وابستہ سمجھنا اور ان کی مرضی اور منظوری نہ پاکر اپنے بڑے سے بڑے نازک مسئلہ سے آنکھیں بند کر لینا اس کے حق میں پیام موت ہے۔

ملک کی حفاظت ملک کی خدمات اور ملک کی تعمیر نو کے کام میں ہمارا راستہ سب کے ساتھ ہے لیکن تہذیبی وجود اپنی ملی شخصیت اپنے عقائد وخیالات اپنے اسلامی جذبات اور اپنی مخصوص سیرت وکردار کی حفاظت وبقا کی جد وجہد میں ہمارا راستہ سب سے جدا ہے، یہ ایک صاحب دعوت قوم کی حیثیت سے اس ملک میں باعزت زندگی اور بقا وترقی کا مسئلہ ہے جس پر کوئی لین دین ممکن نہیں ہے اس لئے کہ یہ وہ متاع ہے جو مسلمانوں کو اب بھی اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے اور ان کے لئے روحانی طور پر پانی اور ہوا سے زیادہ ناگزیر ہے۔

اللہ کے جوار رحمت میں

سید رئیس احمد جعفری ندوی کی اچانک وفات کی خبر یہاں انتہائی رنج وغم اور حیرت واستعجاب کے ساتھ سنی گئی اس لئے کہ رئیس صاحب کی صحت اگرچہ خراب رہا کرتی تھی لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ اتنی جلدی وہ ہم کو داغ مفارقت دے جائیں گے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے، اردو کے مشہور شاعر ریاض خیرآبادی کے نواسے تھے، اور تعلیم بچپن ہی سے ندوہ میں پائی تھی، جسکی وجہ سے ان کی صلاحیتیں کھل کر منظر عام پر آئیں اور انھوں نے بہت جلد ملک کے علمی حلقہ میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا وہ ادب وصحافت کی دنیا میں اپنی فطری صلاحیتوں کے باعث بہت جلد مشہور ہو گئے اور بساط علم وادب پر اپنی شگفتہ اور پر مغز تحریروں کی وجہ سے چھا گئے۔ تقسیم ہند کے بعد وہ کراچی منتقل ہو گئے تھے اور اب مستقل طور سے لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی اور یہیں زندگی کے آخری لمحات بھی گذارے۔

ان کو اپنی مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء سے حد درجہ محبت تھی اور وہ آخر دم تک اس درسگاہ کے منت شناس رہے، یہی وجہ تھی کہ ندوہ نے ان کا شمار اپنے ممتاز فرزندوں میں کیا اور اہل ندوہ نے ان کی وفات کو بالکل اپنا ذاتی حادثہ تصور کیا، خبر ملتے ہی ان کے لئے دعائے مغفرت کا اعلان اور ایصال ثواب کا انتظام کیا گیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، اور بال بال ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

مسلمانوں کے سامنے نہ روٹھ کر اپنا گھر الگ بسانے کا مسئلہ ہے نہ اپنی جد وجہد کے لئے غیر آئینی طریقے اختیار کرنے کا۔ (باقی ص ۱۸ پر)

قرآن کا پیام

انا — مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ

یہ کتاب (کہ) کوئی شبہ اس میں نہیں

محض زبانی یادداشتوں یا روایتوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ باضابطہ دستند نوشتہ ایک صحیفۂ مکتوب قرآن مجید اپنا پہلا تعارف اسی حیثیت سے کراتا ہے کہ وہ ضبط تحریر میں آیا ہوا ایک کتابی شکل میں مرتب، صحیفۂ آسمانی ہے وہ دوسرے مذہبوں کی کتب الہامی کی طرح نہیں کہ صاحب مذہب کے دماغ میں ان کے صرف معانی ومطالب ہوں، اور کوئی راوی ان سے کوئی ٹکڑا نقل کرے اور کوئی کچھ اور یہاں تک کہ صدیوں بعد جب نوبت جمع وکتابت کی آئے تو صحت لفظی اور اسناد حرفی تو خیر بہت دور کی بات ہے نفس مفہوم ومعنی تک مسخ ہو کر رہے اور نام تو ایک کتاب کا ہو لیکن اس کی ترتیب وتالیف میں خدا معلوم کتنے انسانی دماغ اور بشری قلم شریک ہو جائیں۔

دلائل وشواہد کو چھوڑئیے، محض دعوی کی حد تک بھی تو اس باب میں قرآن کی حریف ومقابل دنیا کی کوئی بھی الہامی کتاب نہیں، توریت، انجیل وید، کسی کا بھی یہ دعوی نہیں کہ وہ لفظ بہ لفظ حرف بہ حرف نازل شدہ کتاب ہے اور نہ ان کے پیرو نہیں اس حیثیت سے پیش ہی کر رہے ہیں یہ دعوی تنزیل لفظی کا تو صرف قرآن مجید ہی کا ہے، آج دنیا میں اس کا غذ اور قلم کے دور میں "کتابیں" —

(بصیغۂ جمع وعموم جتنی بھی چاہیں تیار کر ڈالی جائیں، الکتٰب (بصیغۂ واحد وبہ تخصیص الف ولام) یا "کتاب واحد" کا مصداق صرف قرآن ہی نکلے گا۔ زمخشری معتزلی کا مرتبہ اللہ بلند کرے کیا خوب بات کہہ گیا ہے۔

معناه ان ذٰلك الكتاب هو الكتاب الكامل كان ماعداه من الكتاب في مقابلته ناقص (کشاف)

مطلب یہ ہے کہ کتاب تو بس یہی ایک کتاب کامل ہے اور اس کے سامنے کتابیں جتنی بھی لائی جائیں گی سب ناقص ہی ہوں گی

زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) بہرحال مومن وخادم قرآن تھے اور آج سے آٹھ یا ساڑھے آٹھ سو سال قبل کے مومن اگر وہ یہ کہہ گئے تھے تو انہیں کہنا ہی چاہیے تھا۔ یہ دیکھئے کہ قرآن کا منکر اور مادیت وعقلیت کا پرستار اور وہ بھی اس بیسویں صدی کا کیا کہہ رہا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم کی شہادت ہے کہ قرآن The most widly Red Book in The world وہ کتاب ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے جلد ۱۵ ص ۸۹۸ اور پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے پروفیسر ہٹی کا بیان ہے کہ قرآن "عہد آخر" کی کتابوں میں سب سے زیادہ کم سن ہے، لیکن دنیا میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی یہی ہے۔" (تاریخ اہل عرب ص ۱۲۶ مطبوعہ ۱۹۳۷ء)

ذٰلِكَ اسم اشارہ ہے اور اشارہ بعید کا ترجمہ اردو میں "وہ" ہے۔ کیا جاتا ہے لیکن بعد ہمیشہ بعد مکان یا بعد زمان ہی نہیں ہوتا، بعد منزلت وعلوئے مرتبت بھی بعد ہی کی قسمیں ہیں اور هٰذَا کے مقابلہ میں ذٰلِكَ اسی بلندی منزلت کے اظہار کے لئے آتا ہے اور محاورہ عرب میں مخاطب کے لئے برابر صیغۂ غائب لے آیا کرتے ہیں۔

يقال بازاء هٰذا في المستبعد بالشخص او بالمنزلة ذٰلك

وذالك (راغب) انما قال ذٰلك لبعد منزلة في الشرف والتعظيم

(تاج) معناه هٰذا القران وقد تخاطب العرب الشاهد فتظهر له مخاطبة الغائب (مجاز)

اردو اور فارسی زبانوں میں بھی اشارہ بعید "آں" بارہا اظہار تکریم وعلوئے منزلت کے موقع پر آتا ہے، آنحضرت المحترم آنجناب آلعزیز وغیرہ، صحابی ابن عباس رضہ اور تابعین کی ایک جماعت کثیر مجاہد، عکرمہ، سعید ابن جریر سدی، مقاتل، زید بن اسلم وغیرہ سے ذٰلِكَ هٰذَا کے معنی میں مروی ہوا ہے (ابن کثیر)

خود ذٰلِكَ اور هٰذَا دونوں اسموں کے درمیان تبادلہ محاورۂ عرب میں بالکل جائز ہے۔ يستعملون كلا منهما مكان الآخر وهٰذا معروف في كلامهم (ابن کثیر)

اشارہ کا مشار الیہ اس کے مابعد کا اسم یعنی الکتٰب ہے گویا فقرہ کا صحیح اردو ترجمہ یہ ہوا "یہ مکرم ومعظم کتاب" یہ کتاب الٰہی ہے۔ اس کا ہر مضمون برحق اور اس کا ہر لفظ صدق ہے)

اي لا شك فيه انه من عند الله وانه الحق والصدق (معالم)

یہ معنی تابعین کو صحابہ کو سب کو مسلم ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

قال ابن حاتم لا اعلم في هٰذا اختلافا (ابن کثیر)

اس حقیقت کو ایک اور پہلو سے دیکھئے قرآن بجائے خود ایک عالم ہے اس عالم قدس کے اندر گذر نہ کسی شک وتردد کا ہے نہ خلجان واضطراب کا، یہاں تو جو کچھ ہے تسکین۔ اطمینان ہے علم وایقان ہے، یکسوئی وجان ہے۔ ہر دعوی مدلل ہے اور ہر حقیقت ثابت شدہ۔ اب اگر کسی بدنصیب کو اسکے خلاف نظر آتا ہے تو گناہ چشمۂ آفتاب کا نہیں شپرہ چشمی کا ہے اسی لئے ارشاد یہ نہیں ہوا ہے کہ اس کے باب میں کسی کو شک وتردد لاحق ہو ہی گا نہیں، بلکہ ارشاد صرف یہ ہوا ہے کہ خود یہ کتاب اس کے مضامین شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔

لاریب فیہ مقصود چونکہ نفی ریب کی تاکید ہے اسی لئے ترکیب لام بجائے هو

مسلسل

یک دو ساعتے صحبتے با اہل دل

مجلس حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی مدظلہ العالی

مرتبہ۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

۱۹ر شوال المکرم ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۶۸ء
ما بین عصر و مغرب خانقاہ شریف بھوپال

حاضرین مجلس: مولانا حافظ محمد عمران خانصاحب ندوی، مولانا جمیل احمد صاحب مظلہ حیدرآبادی، مولانا حافظ نعمان خانصاحب ندوی، حافظ منظور صاحب، مولوی علی آدم صاحب افریقی اور مولوی محمد حمزہ صاحب حسنی وغیرہ۔

راقم السطور اسی روز حاضر ہوا تھا، طائف کی واپسی میں جو حادثہ پیش آیا تھا اس کے باقی اثرات کو دیکھتے ہوئے جس کے لئے حضرت نے مالش کیلئے ایک روغن ارسال فرمایا تھا، ارشاد فرمایا کہ قریب قریب اسی زمانے میں مجھے بھی دوران سر شدید ضعف اور قلب کی تکلیف پیش آئی۔ میں اکثر صبح سے کچھ کھائے پیئے بغیر مجلس میں بیٹھ جاتا ہوں، اور کہنے سننے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ایک دن ایک بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا، جب میں [illegible] میں جانے لگا تو مجھے چکر آ گیا، میں سمجھا کہ ضعف [illegible] کھانا کھا لوں گا تو جاتا رہے گا لیکن کھانے کے بعد بھی [illegible]

لائے تھے، اگلے روز صبح ان کو خانقاہ میں آنا تھا مولوی عمران صاحب کو تامل تھا کہ اس حالت میں ان کو لائیں، میں نے کہا کہ یہی وقت عطر کی بات کا ہے، جب ظاہری قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں تو اصل خالص بات نکلتی ہے، جب بادام کا خول توڑا جاتا ہے اور اس کی گری نکلتی ہے تو پھر روغن بادام حاصل کیا جاتا ہے، میں نے مولوی صاحب کو اندر ہی بلا لیا اور دیر تک کہتا رہا مولوی صاحب نے اپنی بلند نظری سے ان باتوں کو بہت اہمیت دی، مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا؟ اتنا یاد ہے کہ ان پر رقت طاری تھی انہوں نے ان باتوں میں سے ایک بات "صدق" میں بھی لکھی ہے۔

فرمایا ہر چیز کے مقدمات اور آثار ہوتے ہیں، اہل بصیرت مقدمات اور آثار سے صحیح نتائج نکالتے ہیں، بعض مرتبہ عذاب کی شکل میں رحمت اور بعض مرتبہ رحمت کی شکل میں عذاب ہوتا ہے عذاب الٰہی آنے سے پہلے قدرت کی جو نشانیاں اور خوف و دہشت پیدا کرنے والے جو واقعات پیش آتے ہیں وہ اپنی شکل کے اعتبار سے عذاب معلوم ہوتے ہیں لیکن آنے والے عذاب سے بچانے کے لئے وہ تازیانۂ عبرت کا کام دیتے ہیں، جیسے صبح کاذب ہوتی ہے پھر صبح صادق پھر آفتاب نکلتا ہے [illegible] سمجھنے والے صبح کاذب کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ صبح صادق ہونے والی ہے اور دیکھنے والے صبح صادق کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ سورج نکلنے والا ہے۔

میں حیدرآباد میں تھا کہ سخت طاعون آیا موت کا بازار گرم تھا شاہ علی بنڈہ سے لیکر چار مینار تک کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا اگر کوئی نظر آتا تو گردن میں جھولی ڈالکر کسی مردے کو لے جاتا ہوا دکھائی دیتا، شہر میں ہو کا عالم تھا، لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے، کچھ عرصہ کے بعد انفلوئنزا آیا اس میں بھی موت کی گرم بازاری ہوئی، پھر کچھ عرصہ کے بعد موسیٰ ندی کا طوفان آیا اس نے قیامت برپا کر دی۔ شہر میں کہرام مچا ہوا تھا، کتنی باراتیں بہہ گئیں، کتنے خاندانوں کا پتہ نشان نہ رہا۔ کوئی کہتا تھا کہ میرے سات بیٹے تھے سب طوفان کی نذر ہو گئے، کوئی کہتا تھا کہ میں بھی ڈوبتے ڈوبتے بچا۔

غرض لوگوں کی داستانوں سے دل ٹکڑے ہوتا تھا اس کے بعد مجھے ایسی وحشت سوار ہوئی کہ میرے لئے ایک منٹ ٹھہرنا مشکل ہو گیا، یا تو حیدرآباد سے ایسا انس تھا کہ کہتا تھا کہ مجھے موت مدینہ میں آئے گی یا حیدرآباد میں، یا ایسی وحشت ہوئی کہ وہاں رہنا دوبھر ہو گیا۔

میں گلبرگہ میں تھا، لوگوں نے ہزار ٹھہرایا نہ ٹھہرا بالآخر پولیس ایکشن ہوا، گلبرگہ اور اس کے اطراف میں بھی بڑی تباہی آئی؛ ان واقعات کو لوگ عذاب الٰہی کہتے تھے میں ان کو رحمت سمجھتا تھا کہ بڑے عذاب سے ڈرانے کے لئے جگایا اور جھنجھوڑا جا رہا ہے۔

ایک شخص سردی کے زمانے میں موٹا سا لحاف اوڑھے ہوئے گہری نیند سو رہا ہے، ایک شخص سختی سے پکڑ کر اسکو نیچے گھسیٹ لیتا ہے اس سے اسکو چوٹ بھی لگتی ہے، غصہ بھی آتا ہے، لیکن جب وہ ہوشیار ہوتا ہے اور دیکھتا کہ اسکے پہلو میں سانپ تھا اگر اسکو پکڑ کر گھسیٹ نہ لیا جاتا تو وہ اس کو ڈس لیتا اور اس کا کام تمام کر دیتا۔ اس سانپ کو دیکھ لینے کے بعد اس کا یہ فعل سراسر ہمدردی اور شفقت نظر آئے گا، کبھی عذاب کی شکل میں رحمت ہوتی ہے اور کبھی رحمت کی شکل میں عذاب، نمرود کی آگ کی شکل عذاب کی تھی لیکن اس میں رحمت تھی اور سمندر کی شکل رحمت کی تھی لیکن اس میں فرعون

★ تسخیر الحسن ندوی

مستقل کامیابی یا عارضی کامیابی

اسکا انحصار انسان کے تقاضے خواہشات اور اسکی محنت پر ہے

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر

تمہیں معلوم ہے اسی دلی میں مولانا اسمٰعیل صاحب رہا کرتے تھے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک مکتب کو چلانے لگے تھے، جس کا خرچ اپنی جائداد سے چلاتے تھے، ایسی جامع شخصیت تھی کہ دلی کا ہر طبقہ مولانا سے وابستہ تھا، اس وقت دہلی میں علماء کے چار گروہ تھے ہر ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے عائد کیا کرتا تھا، ان میں آپس میں کچھ نہ کچھ چلتی ہی رہتی تھی لیکن سب کے سب مولانا سے جڑے ہوئے تھے، مولانا کا انتقال کھجوروں والی مسجد میں ہوا مولانا کی اس مقبولیت کی بنا پر تدفین میں شرکت کے لئے سب ہی آئے، حضرت جی کے دونوں بڑے بھائی بھی اس میں شریک ہونے کے لئے آئے تھے، ہر طبقہ الگ الگ اپنی جنازے کی نماز پڑھ رہا تھا جس کی وجہ سے تدفین میں تاخیر ہو رہی تھی، اتنے میں کسی بزرگ نے مولانا اسمٰعیلؒ کو بہت ہی شرمندگی کی حالت میں پایا، انہوں نے اس شرمندگی کی وجہ دریافت کی تو مولانا نے فرمایا کہ حضورؐ صحابہ کرام کے ساتھ میرے منتظر ہیں اور یہ لوگ دیر لگا رہے ہیں اس لئے میں اس وقت بہت شرمندہ ہوں کہ حضورؐ میرے منتظر ہیں اور میں وہاں اب تک نہیں پہونچ سکا تب ان بزرگ نے شور مچایا کہ جلد تدفین کرو، تو تدفین عمل میں آئی، اس کے بعد جو استقبال ہوا ہو وہ کسی کو کیا معلوم، انبیاء کرام سے ملاقاتیں، آسمان والوں سے ملاقاتیں ہونگی، اور سب.. استقبال کے لئے کھڑے ہونگے، تو اللہ کے احکام پر چلنے والوں کی اگلی زندگی زیادہ کامیاب ہوگی اور باقی رہنے والی کامیابی یہی ہے کہ جنت دیدی، حور و غلمان دے دیئے، پھر اختیارات کلی دے دیئے کہ جو چاہوگے ہو جائے گا، پھر سب سے بڑی چیز اپنا دیدار نصیب فرمائیں گے، ہر جمعہ کے دن جنتی اللہ کا دیدار کریں گے، دیدار سے پہلے ایک دعوت ہوگی جس میں سب اپنے درجات کے اعتبار سے بیٹھائے جائیں گے، سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے پھر اور انبیاء کرام ہوں گے اسی طرح اخیر تک جنتی بیٹھے ہونگے پھر کھانا کھلایا جائے گا اور خوب مزا آئے گا، جب کھانے سے فارغ ہو جائیں گے تو اللہ کی زیارت کرائی جائے گی جس میں اتنا مزا آئے گا کہ لوگ دعوت کا مزا بھول جائیں گے اور جب اللہ یوں کہیں گے کہ میں راضی ہوں تو اس کا مزا اتنا ہوگا کہ دیکھنے کا مزا بھول جائیں گے پھر اللہ قرآن سنائیں گے اور قرآن کا ایک ایک حرف بادل بنے گا اور برسے گا، پہلے انھیں سننے والوں پر برسے گا، پھر باغوں میں برسے گا، حوروں کے محلات پر برسے گا، اور خوب انوار کی بارش ہوگی جس سے ہر چیز نئی بن جائے گی، اب یہاں سے واپس ہونگے تو راستے میں بازار ملیں گے، ہر قسم کی چیزیں مل رہی ہونگی، جیسی چیز چاہیں گے مل جائیگی تصویروں کے بازار ہوں گے جیسی تصویر چاہیں گے جون سی تصویر چاہیں گے سب مل جائیں گی، تو اب بازار سے سامان خرید کر، خوب بن ٹھن کر حوروں کے پاس پہنچیں گے وہ بھی بدلی ہوئی ملیں گی، معلوم ہوگا کہ آج ہی شادی کر کے آئی ہیں، تو اس کامیابی کا نام ہے مستقل کامیابی برزخ کا اعزاز، حشر کا اعزاز، یہ سب مستقل دپائیدار نہیں ہیں بلکہ جنت کا اعزاز پائیدار ہے جو کبھی بھی ختم ہونے والا نہیں ہے، تو اللہ اُدھر سے بناتے ہیں اور اس کے لئے آواز لگا رہے ہیں کہ اس کامیابی کی طرف آؤ اور اس کامیابی کو حاصل کرنے کے لئے کھانا کمانا بھی چھوڑ دو، اور آنکھ، کان، ناک سب اللہ کی مرضی کے لئے وقف کر دو، خدا کو لا الٰہ الا اللہ والا یقین پسند ہے، اس کے لئے تو اپنے اندر مسجد والا یقین پیدا کر، تب لا الٰہ الا اللہ والا یقین بھی پیدا ہو جائیگا تیری زندگی کی کل محنت ۶۰ سال ہے اس سے زیادہ نہیں ہے، محنت کا وقت بہت تھوڑا ہے اور کامیابی کے لاکھوں درجے ہیں، ایک معمولی نیکی سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک درجے ہی درجے ہیں، اس لئے تجھے جس درجہ تک جانا ہو وہاں تک محنت کر لے ویسے اللہ معمولی محنت پر بھی اجر دیتے ہیں، اور صرف محنت پر کھڑے ہو جانے پر بھی اللہ اپنے محکمہ کے آدمی میں شمار کر لیتے ہیں، اگر تو محنت کرنے والا بن جا تو اللہ کے محکمہ والا بن جائے گا، بس اب اللہ سے لینے کے واسطے کچھ کرنے والا بن جا، اب عملوں پر محنت کر کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور اللہ تب ہی کچھ دیتے ہیں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقے پر چلا جائے، اگر تو اپنی محنت سے صرف تعلیم چلا کر چلا گیا اور عمل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تو اب اس تعلیم کے ذریعہ جتنے لوگ عمل کرنے والے بنیں گے، جتنا اجر انہیں ملے گا اتنا ہی اجر اللہ تعالیٰ تجھے بھی عطا فرمائیں گے، اس لئے اب نماز پر محنت کرو تاکہ برائی ختم ہو، اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ، نماز پر محنت کر برائی ختم ہو جائیگی اگر تو نے محنت کی علم پر، ذکر پر، صدقات پر، خدمت خلق پر، عدل و انصاف پر، کلمہ پر، اور یہ محنت پورے شہر کی تو اللہ نے جس طرح پہلے انبیاء کو قوم پر محنت کرنے کے انعامات دیئے ہیں ویسے ہی انعامات اللہ تمہیں بھی دینگے یہ ضرور ہے کہ نبی کے انعامات غیر نبی کو نہیں ملا کرتے لیکن یہ انعامات نبی کے نہیں ہوں گے بلکہ نبوت کی محنت کے انعامات ملیں گے، اور اس محنت کا اجر قیامت تک چلتا رہے گا اگر تاجروں پر محنت کروگے تو تمہیں وہ انعامات ملیں گے جو حضرت شعیب علیہ السلام کو ملے تھے، لیکن نبوت والے حصہ کا انعام نہیں ملے گا صرف محنت کا انعام ملے گا، اس طرح محنت کرنے پر یقین کے ساتھ جب علم پھیلے گا تو اخلاص بھی عام ہوگا اور تب عملوں میں جان پڑ جائیگی بس اب اس طرز پر محنت کرو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم محنت کرتے تھے تو تمہارے اعمال میں جان پڑ جائے گی، کیونکہ ایک ہے علم پر محنت، اور ایک ہے ایمان پر محنت اور ایک ہے اس محنت کرنے والے پر محنت، تو کسی ذات پر محنت کرنے سے اتنا نہیں ملے گا جتنا کہ علم و ایمان پر محنت کرنے سے ملتا ہے، اس طرز پر محنت کرنے والے کی نماز کی قیمت بڑھ جائیگی زکوٰۃ کی قیمت بڑھ جائے گی، اس کے ہر عمل کی قیمت بڑھ جائے گی؛ بس جن عملوں سے کامیابی ملے گی وہ ہے حضورؐ والی محنت اور حضورؐ والی محنت ہے پھرنا اور پھرانا، تو اب سب سے بڑا عمل ہوا محنت، یہ اتنا بڑا عمل ہے کہ اسے نبیوں کے درجہ میں رکھا گیا ہے، اور یہ محنت جیسے نبیوں کے درجہ میں رکھا گیا ہے..

نقل و حرکت والی محنت ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کے طرز پر ہے، اسی لئے یہ نقل و حرکت والی محنت اب دور دور تک پہونچ رہی ہے، دنیا کے گوشے گوشے میں یہ محنت پہونچ چکی ہے، یہ محنت انگلستان میں پہونچ چکی ہے، وہاں اب کی رمضان میں ۲۶ جگہ تراویح ختم ہوئی اور ۱۵ مسجدوں میں نماز باجماعت ادا ہونے لگی، ان مسجدوں میں قرآن کریم کی تعلیم شروع ہو چکی ہے، پابندی سے ان میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے، یہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز کی محنت پر ہو رہا ہے۔

دین وملتِ اسلامی کی تنظیم کا نیا دور!

علمائے اسلام کی عالمگیر بیداری کا عین وقت

از صوفی نذیر احمد کاشمیری

گزشتہ دو ماہ کے اندر بعض ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن کے نتائج اور جن کے محرکات کا نہ ہی مذہبی دنیا کے کسی فرد کو احساس ہو، نہ سیاسی دنیا میں یعنی امریکہ اور اس کے چوٹی کے چند حلیفوں اور روس اور اس کے چند ہمنواؤں کو جو ڈر کر شاید ہی اس صورتِ حال کے نتائج کا کسی کو اندازہ ہو۔

انقلاب فرانس!

انقلاب فرانس کی اصطلاح سے اکثر لوگوں کا ذہن دو سو برس پہلے کے انقلاب فرانس کی طرف متوجہ ہو جائیگا مگر اس سے راقم کا مقصد فرانس کا حالیہ انتخاب عام ہے جس میں تمام وہ امیدیں آخری دفعہ خاک میں مل گئی ہیں، جو امیدیں اشتراکیوں نے جمہوری ذرائع کا تجربہ کرنے کے متعلق باندھی تھی اشتراکی دین میں آئینی ذرائع سے قوت حاصل کرنیکا تصور محض ایک خیال رہا ہے، وہ اس کے موثر ہونے کے قائل کبھی نہ تھے مگر آخری جنگ عظیم کے بعد انھوں نے اپنے مذہب جبر و انقلاب میں کچھ ترمیم کی، اسی ترمیم کے بعد اسٹالن ازم کو دفن کرنے کا اعلان بھی ہوا، اور آئینی ذرائع کو آزمانے کا تجربہ شروع ہوا جو سارے ظاہری احوال کی موافقت کے باوجود فرانس کے حالیہ انتخاب میں بری طرح ناکام ہوا کم و بیش اسی لاکھ انسانوں کی ملک گیر ہڑتال کے عین بعد یہ انتخاب ہوا۔ ہڑتال اشتراکیوں کا وہ موثر اوزار ہے جس کے بعد انہیں ہمیشہ ہی کامیابی کی توقع ہوتی ہے مگر اب کے یہ توقع ایسی الٹی پڑی کہ معلوم ہوتا ہے کہ کمیونسٹ دنیا اسٹالن ازم کو قبر سے نکالکر پھر زندہ کرنے پر مجبور ہو گئی ہے۔ جبر و قہر کی پالیسی کا دوبارہ احیاء اجزاء چیکوسلواکیہ پر ہوا ہے اور اب رومانیہ اس کی زد میں ہے جو خروشچیف کے زمانے سے جو تھوڑی بہت جمہوری آزادی کمیونسٹ ممالک میں آ گئی تھی، اسے ختم کرتے ہوئے اشتراکی بھرے جبر و انقلاب کے دین کو زندہ کر رہے ہیں۔

اس تبدیلی کا عالمی محاذ پر اثر!

نتائج و عواقب کا حقیقی عالم تو عالم الغیب والشہادہ کے پاس ہے مگر ظاہری احوال کو دیکھتے ہوئے جو نتائج ہو سکتے ہیں وہ یہی کہ عالمی توازن کو بحال رکھنے کے لئے روس و امریکہ کو چین کیلئے بھی ایک دائرہ اثر معین کرنا پڑے گا: روس تو اس لئے مجبور ہوگا کہ اب وہ خود سٹالن و ماؤ کے دین جبر و انقلاب کی صحت کا قائل ہو چکا ہے اور امریکہ اس لئے کہ اس وقت وہ بیک وقت تین محاذوں پر الجھا ہوا ہے۔ ویت نام، مشرق وسطیٰ اور یورپ یہ تین محاذ ہیں۔

مشرقی یورپ میں سٹالن ازم کے زندہ کرنے کی خواہش نے یورپ کا توازن پھر مخدوش کر دیا ہے جس طرف امریکہ متوجہ ہونے کے لئے مجبور ہے، اب چین کو جس طرف گنجائش حرکت دی جا سکتی ہے، وہ ہندوستان ادھر روس یا امریکہ کو ہندوستان سے کچھ ملنے ملانے کی تو کوئی توقع نہیں ہے، یہاں تو دنیا ہی دنیا ہے، لینا کچھ بھی نہیں لہذا زبانی ہمدردیاں تو اس کی ہندوستان سے رہیں گی مگر عملی طرف داری کی نظاہر کوئی صورت نہیں ہے اس طرح چین کی گھرکیاں اور چھیڑ چھاڑ موثر سے موثر ہوتی جائے گی۔

مشرق وسطیٰ!

مشرق وسطیٰ میں بھی روس و امریکہ کا معاملہ تب جوہے کے کھیل کا رہے گا۔ وہ کھلی جنگ شاید ہی یہاں مول لیں۔ ہاں ایک امکان بعید یہ ہے کہ سارے مسلم رئیس زادے اور دین و ملت کو ذلیل کرنیوالے سارے ڈکٹیٹر اپنے کبائر کا اعتراف کرتے ہوئے اور سارے ہی شخصی اور پارٹی چودھراہٹوں سے توبہ کرتے ہوئے اصول خلافت پر تمام مشرق وسطیٰ کو منظم کرنے پر لگ جائیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے لئے اور ارا کین حکومت کیلئے جو حقوق و فرائض معین کئے تھے انہیں پر سارے مشرق وسطیٰ کی تنظیم کا آغاز ہو اس صورت میں چند برسوں میں افریقہ کا اکثر حصہ بھی اسلام سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے اور موجودہ عالمی فضا میں اخوت انسانی کا اخلاقی عنصر پھر سے داخل ہو سکتا ہے، سیاسی سمت سے اس تجدید ملت کے ساتھ ہم آہنگ ہونے میں پاکستان اور انڈونیشیا کو سب سے کم زحمت اٹھانی پڑے گی۔ اس لئے کہ ان دونوں جگہوں پر جمہوری تصورات تو خانہ بخانہ موجود ہیں مگر ملوکانہ روایت ناپید ہے، ترکی کا اتاترک کا گڑھا ہوا نیشنل ازم اور عرب ترک عناد شاید اسے اس تجدید ملت سے جلدی ہی ہم آہنگ نہ ہونے دے مگر بالآخر اس کا دینی یقین و جذبہ اسے ہم آہنگی کے لئے مجبور کر دے گا، یہ ہے عالمی محاذ پر "انقلاب فرانس" اور اس کے بعد کے حالات کا ظاہری مستقبل اس پر اثر انداز ہونا ہم لوگوں کے بس سے یکسر باہر ہے۔

البتہ!

البتہ ہم ایک ایسی سمت سے اس محاذ کو قوت پہونچا سکتے ہیں جو سمت صدیوں سے قریبا بند ہے، اور جسے پوری طرح متحرک و برسرِ عمل کرنے کے سوائے ملتِ محمدی کے حیاتِ دینی ہمیشہ ماضی کا ایک خواب بے تعبیر ہی رہے گا۔ وہ سمت یہ ہے کہ خالی خولی اندھے جذبات اور شیخ چلی کی خیالی تدبیروں کو دفن کرتے ہوئے اپنے شبانہ روز معمولات میں حسب ذیل دعا کو ایک فرض کی حیثیت سے داخل کر لیں۔

"اللھم اصلح ذات بین المسلمین والف بین قلوبھم واجعل فی قلوبھم الایمان والحکمۃ وانصرھم علیٰ عدوک وعدوھم"

"اے اللہ مسلمانوں کے باہمی معاملات کی اصلاح کر۔ ان کے دلوں کو ملا دے اور ان کے دلوں میں ایمان و حکمت کو بھر دے، اپنے اور ان کے دشمنوں کے مقابل ان کی اعانت کر۔"

مجنونانہ جذباتیت اور شیخ چلی کے خیالی منصوبوں کے بدلے اس دعا کو اپنے شبانہ روز معمولات میں داخل کر لینا اور ہمیشہ کیلئے داخل کر لینا امت مسلمہ کے صدیوں کے بھلائے ہوئے دلی رابطے کو زندہ کر دیگا اس میں کسی بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ایک بامقصد اور عالمگیر امت کے وجود کے احساس اور اس کی موجودہ بے بسی کے احساس مسلسل کے ساتھ مندرجہ صدر دعائے اضطرار۔ یہ ہے وہ اعانت جو ہم ٹوٹے ہوئے سیاسی محاذ کے دلوں کو جوڑنے کے لئے کر سکتے ہیں، موجودہ بے بسی میں اس کے سوائے ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے اور بے بسی کی حالت میں یہ چیز عمدہ اور موثر "سلاح المومن" ہے

اصلی کام۔

"رشتۂ وحدت میں جب ان کو پرو سکتا ہے تو
منتشر پھر کیوں تری تسبیح کے دانے رہیں"

ہمارے رسولِ پاک کو اللہ تعالیٰ نے ساری کائناتِ انسانی کے اسود و احمر تک پہونچانے کیلئے ایک مثالی امت تیار کی۔ جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو اس کام کے لئے ایک مثالی معاشرہ اور اس کے ساتھ ایک مثالی طریق عمل موجود تھا مسلمان کہلاتے ہوئے خاتم الانبیاء کے اس کام پر شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس امت کی حیثیت عرفی صرف "شہداء علی الناس" اور اس کا مشن اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر" ہے نہ تو رسولِ اکرم کے "کافۃ للناس" کی طرف مبعوث ہونے پر شک کی گنجائش ہے اور نہ اس دنیا سے آپ کے تشریف لے جانے کے بعد امت کی —

"شہداء علی الناس" اور "اخرجت للناس" کی حیثیت عرفی میں شک کی گنجائش ہے، مگر کیا عمل کے سطح پر بھی امت اس نصب العین سے وابستہ ہے؟ ایک دشمنِ دین اشتراکی کو زیادہ سے زیادہ مخلوقاتِ خدا کو اپنے دائرۂ اعتقاد و عمل میں لانے کی جو فکر ہر وقت دامنگیر رہتی ہے کیا اس کا دسواں حصہ فکر بھی امت کو اس بات کی ہے کہ وہ کائناتِ انسانی کو دائرۂ دین میں داخل کریں۔

کہاں ہے "اخرجت للناس" کا نصب العین اور کہاں ہے اس سے عالمگیر وابستگی؟ جس طرح اخوت کا وہ رابطۂ قلبی جو ساری دنیا میں ایک مومن کے دکھ درد کو ساری مومن برادری کا دکھ درد بنا دیتا تھا صدیوں سے دلوں میں ناپید ہے اسی طرح آج اعتصام بحبل اللہ کا یہ خارجی نصب العین بھی عمل کی سطح پر ناپید ہے اور امت و دین کے پھر عالمی قوت بنکر منصۂ شہود پر آنے کے لئے دونوں کا زندہ کرنا آج کی ضرورتِ دینی بھی ہے — ضرورتِ ملت بھی اور ضرورتِ انسانی بھی "اخرجت للناس" حیاتِ ملتِ محمدی کا مرکز اعصاب ہے جو مشلول شدہ حالت میں ہے۔ اور امت ایک بے مقصد گلے کی حالت میں ہے مرکز اعصاب یا نصب العین ملت کو زندہ کرنے سے ملت زندہ ہو جائے گی لہذا نہ صرف ملت کے دائرے کو وسیع کرنے کے لئے بلکہ خود حیات ملت کے تسلسل کیلئے جس اصلی کام کی آج ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ علمائے حق ایک طے شدہ منصوبے کے ماتحت کلمۂ حق کو باقی اقوام کے سامنے لانے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ اس سلسلے میں ابھی پچھلے دنوں انھیں کالموں میں ایک چیز ہندوستان بھر کے لئے پیش کی جا چکی ہے۔ (مراجی کے اسلام پر اعتراض کا جواب) اسے پوری یکسوئی سے سارے ہندوستان کے سامنے لایا جائے۔ ملت کا رخ جس دن بحیثیتِ مجموعی "اخرجت للناس" کے نصب العین کی طرف ہو گیا، اسی دن ہمارے داخلی قسم کے الجھاوے اور تفرقے میں پچاس فیصد سے زیادہ کمی واقع ہو جائے گی۔ یہود و نصاریٰ کے انداز پر ہمارے اندر جو تفرقے صدیوں سے مصروف عمل ہیں ان کا اکثر حصہ صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ملی عزم و عمل خارجی نصب العین سے کٹ کر اپنے اندر کی طرف مصروف عمل ہو چکا ہے، لیکن جب نصب العین سے وابستگی کے سبب اس کا رخ خارج کی طرف ہو گیا تو پھر اکثر الجھاوے واہمۂ شیطانی کی طرح دور ہو جائینگے

تعصبات کا رخ کدھر ہے؟

ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف تعصبات کی جو آندھیاں چل رہی ہیں ان کا اصل رخ مسلمانوں کی ہزار سالہ سیاست کے خلاف ہے اور پھر یہ کوئی بھی عوامی تعصب نہیں ہے بلکہ اونچی ذات کے ہندوؤں پر یہ کابوس سوار ہے کہ مسلمان پھر کہیں حکومت پر قابض نہ ہو جائیں، جہاں تک اسلام خالص کا تعلق ہے، راقم کو ایک صاف گو مبلغ کی حیثیت سے قدیم سے قدیم مہاسبھائی لیڈروں (مثلاً بھائی پرمانند جی آنجہانی اور سرگوکل چند جی) سے لیکر جدید سے جدید سنگھیوں وغیرہ تک سے مسلسل ملنے کا اتفاق ہوتا رہا۔ اسلام کے خلاف راقم نے ان میں کوئی بھی تعصب نہیں پایا — بلکہ انتہا درجے کی ہمدردانہ شہ ملتی ہے۔

"صوفی جی تھکنے کا نام نہ لیجئے ایسی کوشش کو الیشور نا کام نہیں کرتا" تحریراً اور زبانی ایسی ہمدردیاں بار بار آج تک ظاہر ہوتی رہی ہیں۔ سال گذشتہ کے خاتمے پر راقم نے کالی کٹ کے جن سنگھ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر ایک لیے تلخ تنقیدی پمفلٹ کو سارے مرکزی لیڈروں کو خود دستی دیا کہ آج بھی شاید ہی کوئی مسلم اخبار اسے شائع کرنے پر آمادہ ہوتا۔ مگر جو ردعمل میں نے محسوس کیا وہ یہ تھا

"صوفی جی! ایشور آپ کو زندہ رکھو، اب آپ کو بھارت کو سمجھانا دینا ہے"

یہ الفاظ پروفیسر دیش پانڈے سابق جنرل سکریٹری وصدر ہندو مہاسبھا نے اسٹیشن پر رخصت ہوتے ہوئے راقم سے کہے تھے۔ پانچ کا بیان ایک نہایت درجہ نفیس الطبع ذی علم شخص نے اس دعدے کے ساتھ اپنے ہمراہ رکھ لیں کہ وہ دہلی کے پانچ لیڈروں تک خود پہونچا دے گا، ہاں بھائی پرمانند جی اور سرنارنگ جیسے لوگوں نے مجھے ٹوک کر یہ مشورہ دیا (سرنارنگ کے تحریری مشورے کو راقم نے شائع بھی کر دیا تھا) کہ مسلم سیاست سے ملا کر راقم اس مشن کو نہ چلائے ورنہ کامیابی کا کوئی امکان نہ ہوگا۔

کل حقیقت حال!

اس سلسلے کی کل حقیقت یہ ہے کہ موجودہ پوری مسلم نسل کا رخ اسلامی نصب العین کو منوانے کی طرف سے ہٹ کر اپنی ہستی اور اپنے مفاد کو منوانے کی طرف ہے اور نتیجے میں اس کا تنازعہ بیک وقت خدائے اسلام اور مادی ماحول سے ہو چکا ہے۔ اس تنازعہ سے اگر کوئی ہٹا تو پھر بے مقصدی دنیویت اس کا دین بن جاتا ہے، اس دوگونہ تنازعہ سے امت کو نکالنا علمائے امت کی مجموعی بصیرت کا کام ہے۔ اگر انہوں نے اس مشکل کا حل نہ نکالا تو عند اللہ سب سے زیادہ مواخذہ اسی گروہ کا ہوگا۔

علماء صوفیا وارباب سیاست!

اسلام کا مثالی معاشرہ ٹوٹنے کے بعد صدیوں کی کشمکش کے نتیجے میں امت تین طبقوں میں بٹی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

علمائے امت!

یہ وہ طبقہ ہے کہ کم از کم فکر کی حد تک اس نے قرآن مجید و اسوۂ حسنہ حضرت خاتم الانبیاء کے ایک ایک حرف و لفظ و واقعہ کو لفظاً و معناً محفوظ کر لیا خدا نے ان کے عزم و بصیرت کو اس کام کے لئے استعمال فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی قیصر و کسریٰ کی جانشین والی مسلم ریاستوں سے بھی انہوں نے رابطہ ہم آہنگ رکھا گو عمل کی سطح پر بھی کسی نہ کسی حد تک دینی اقدار و روایات کو زندہ رکھا تاہم بیشتر سطح پر بھی پھر بھی ملت و امت کا رابطہ باہم قائم رکھنے میں علما کے طبقہ کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ " باقی صفحہ ۱۲ پر "

بدر کا فیصلہ کن معرکہ جس نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا تھا آج عالم اسلام کیلئے روشنی کا مینار ہے

بڑے بڑے جلسوں اور کانفرنسوں سیمینار اور تجویزوں سے صورتِ حال میں ذرّہ برابر فرق نہیں ہوسکتا!

رابطۂ عالم اسلامی کے اجلاس میں مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا اہم خطاب

رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس منعقدہ ماہ رجب ۱۳۸۸ھ میں حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی صاحب ندوی نے جو اہم مقالہ پیش کیا تھا اس کی پہلی قسط شائع کی جارہی ہے۔ دوسری قسط جس میں موجودہ حالات کی روشنی، صحیح لائحۂ عمل کی نشاندہی کی گئی ہے اس کو آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں "ایڈیٹر"

(ترجمہ: سیّد ضیاء الحسن ندوی)

بدر کے فیصلہ کن معرکہ میں — جس نے تاریخ کے دھارے کو موڑ کر سارے عالم کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا تھا، ہم حامیانِ دعوتِ اسلامی کے لئے ایک درسِ عبرت پوشیدہ ہے تمام ظاہری اسباب اور قرائن زبانِ حال سے اس لشکر کی جیت کا راگ الاپ رہے تھے جو ابوجہل و ابولہب کی سرکردگی میں مکہ سے آرہا تھا انسانی علم و یقین کی کسوٹی پر آج وہی لشکر پورا اترتا معلوم ہوتا تھا، سرخروئی گویا اسی کی جھولی میں تھی — اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پیرو کو (نعوذ باللہ) جیسے نامرادی ہی ورثہ میں ملی تھی، تاریخ کے جنگی تجربات اور معیاروں کی روشنی میں جو شخص ساز و سامان اور لڑنے والوں کی تعداد کی بناء پر قائم کئے جاتے ہیں ہر ظاہر بین شخص بڑی آسانی سے اور ڈنکے کی چوٹ پر یہ پیشنگوئی کرسکتا تھا کہ مکہ سے آنے والا لشکر پلک جھپکنے میں مدنی پناہ گزینوں اور ان کے حامیوں کا قلع قمع کرڈالے گا، اور اسلامی وحدت کی ننھی سی چنگاری کو بھڑکنے سے پہلے ہمیشہ کے لئے سلا دے گا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی ماہیت و اصلیت جو معاملات کی تہ تک پہونچنے اور اشیاء کی ماہیت کو پرکھنے کی دوسروں سے کہیں بڑھکر صلاحیت رکھتے تھے اس خطرہ سے پوری طرح باخبر تھے۔

عین اسوقت آپ نے اپنے اصحابؓ کے پلڑے میں وہ زبردست وزن رکھدیا کہ وہ پوری طرح ایک طرف جھک گیا اس کے بعد اگر دوسرے پلڑے میں سارا عالم اپنے تمام لاؤ لشکر، اپنی تمام طاقتوں، تہذیبوں اور سوسائٹیوں سمیت رکھدیا جاتا ہے تو بھی پہلا ہی پلڑہ بھاری ثابت ہوتا اور یہ ساری چیزیں اسکے پاسنگ بھی نہ ٹھہرتیں یہ آخر کیا وزن تھا.....؟ بات صرف اتنی تھی کہ آپؐ نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا مستقبل ایمان، عقیدہ اور اسلامی دعوت اور رسالت کے ساتھ مضبوطی سے جوڑ دیا تھا چنانچہ نبوت کے سارے وقار و اعتماد اور محبوبیت کے پورے جلال کے ساتھ آپ بارگاہ ایزدی میں لب کشا ہوئے — "بارالٰہا" اگر یہ چھوٹی سی جماعت آج ختم ہوگئی تو روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔" اللہ نے آپ کو سچ کر دکھایا۔ کیونکہ یہ کوئی ردال دوال خیال نہ تھا اور نہ کوئی نیا نعرہ و پروپیگنڈہ کہ جس کی ضرورت جنگ کے کڑے ایام یا وقتی مصالح کے دوران موجودہ زمانے کی حکومتوں اور سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کو پڑا کرتی ہے اور پھر وقت گذر جانے پر ان نت نئے نعروں کو بھلا دینے میں بھی انھیں کوئی دیر نہیں لگتی..... بلکہ یہ حالات کی سچی تصویر، عقیدہ کی تائید اور عبد و معبود کے درمیان ایک معاہدہ کا اعلان تھا جس کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے لیکر آج تک عالمِ اسلام اسکے سائے تلے پنپ رہا ہے مسلمان آج بھی اسی سے زندگی کی حرارت حاصل کررہا ہے اور اسی کی بساط

جو حدود قسطنطنیہ سے لیکر جزائر انڈونیشیا تک اور خلیج فارس سے جبال اطلس تک پھیلی ہوئی ہے ان کی جولانگاہ ہے یہی ایک واحد راستہ ان تمام مسلم حکومتوں کے لئے بھی ہے جنہیں صبح و شام اندرونی و بیرونی خطرات کا سامنا ہے یہ مہیب خطرات نہ صرف ان کی سرحدوں سے ٹکرانے اور ان کے دروازوں پر دستک دیتے ہیں، بلکہ یلغار کرتے ہوئے ان کے گھروں اور عافیت کدوں تک گھس آئے ہیں۔

جس کتاب پر ہم مسلمانوں کا ایمان ہے وہ محض کوئی عقائد و احکام کی کتاب نہیں ہے، وہ ایک ایسی دستاویز ہے جو خلق خدا کے درمیان خدا کی سنتوں کی تفصیل بیان کرتی ہے بندوں کے ساتھ قادرِ مطلق کے معمولات بنی نوع انسان کے مختلف اسالیب کار انسانی زندگی رنگ برنگ نمونے، اخلاق انسانی کے نوبہ نو مظاہر، اور ان تمام خصوصیات کی تفصیل بیان کرتی ہے جو خلاق عالم نے حیات بشری میں ودیعت کی ہیں اور جو لاکھوں برس گذر جانے کے باوجود آج تک ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑسکی ہیں، اسی کے ساتھ ان تمام نتائج و آثار کی طرف بھی اجمالی اشارات اس میں ملتے ہیں جو تاریخ کے کسی دور میں زندگی سے ہٹ کر نہیں رہے ہیں پھر اس دار العمل میں کئے ہوئے کاموں پر جو سزا و جزا، جو سعادت شقاوت، رنج و راحت نفرت و محبت نیز قوت و درماندگی مقدر کی گئی ہے ان سب سے آگاہی اس کتاب کے بغیر ممکن نہیں، اس میں یہ صاف صاف خدائی اعلان ہے کہ یہ وہ ازلی و ابدی سنتیں ہیں جن پر زمان و مکان کی تبدیلی ذرا بھی اثرانداز نہیں ہوا کرتی اور جو کسی فرد یا جماعت کے مفادات کی خاطر اپنی جگہ نہیں چھوڑتی "اللہ کا اپنا طریقہ ہے تم پہلے لوگوں میں اور ہرگز نہ پاؤگے تم اللہ کے طریقہ میں کوئی تبدیلی"

قرآن نے پچھلی قوموں اور ابتدائی صدیوں کی داستانیں باربار تفصیل کے ساتھ اسی لئے بیان کی ہیں اور یہود کے حالات اس قدر شرح بسط کے ساتھ اسی لئے بیان فرمائے ہیں، کیونکہ ظاہر ہے قرآن کوئی قصہ کہانی کی یا الف لیلوی کتاب نہیں ہے کہ مسلمان جو آخری امت ہیں وہ ان کے اعمال و اخلاق اور ان کی زندگی کے نشیب و فراز میں اپنے لئے گوشۂ عبرت تلاش کریں۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں نیدوں اور سرداروں کے ہاتھوں یہود پر جو کچھ گذرتا رہا ہے، اور ان کے مخصوص طرزِ حیات اور اخلاق و عادات کے طفیل جو انہیں تلخیاں جھیلنا پڑی ہیں ان سے ہم سبق حاصل کریں، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ یہودی قوم دنیا کی وہ معزز ترین قوم تھی جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوتوں اور بادشاہتوں کیلئے منتخب فرمایا تھا۔

"اپنے اوپر اللہ کے انعامات کو یاد کرو جبکہ اس نے تم میں انبیاء پیدا کئے اور تمہیں سلطنت و حکومت سے نوازا، اور تمہیں وہ کچھ عطا فرمایا جو دنیا جہان میں کسی کو نصیب نہ ہوا"

"اے بنی اسرائیل ہمارے ان احسانات کو یاد کرو جن سے ہم نے تمہیں نوازا، اور تمہیں سارے عالم میں معزز ترین قرار دیا"

مسلمان اور یہود اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں کہ دونوں کو دنیا میں عزت و احترام فتح و نصرت اور نبوت کی طفیل حاصل ہونے والی برکتیں و نعمتیں نصیب ہوئیں، ایک عرصہ تک انھوں نے اس دین کے لئے جس پر انہیں ایمان تھا بڑی سے بڑی قربانی دے کر اور احکام ربانی کی موبمو اطاعت و فرمانبرداری کرکے اپنے تئیں اس کا اہل بھی ثابت کیا۔ لیکن اسکے بعد انہیں شامت اعمال نے آگھیرا اور وہ یہ تمام اعزاز و اکرام خالص بنیادی اور مادی ذرائع سے حاصل کرنے میں لگ گئے اور فتح و کامرانی کے حقیقی اسباب سے انھوں نے آنکھیں چرالیں۔

"کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو خدا کے حضور بجائے سجدۂ شکر بجالانے کے کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوئے اور آخر کار اپنی قوم کو قعر ہلاکت میں لا ڈالا"

پھر قرآن نے "ایک دائمی عالمی حقیقت کا اعلان فرمایا، "اللہ تعالےٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتے جبتک وہ خود اپنی حالت نہ بدل ڈالیں"

پھر مسلمانوں کو خطاب کرکے فرمایا "تمہاری خواہشات پوری ہوں گی نہ اہل کتاب کی، جو برائی کرے گا بدلہ پائے گا، اور اللہ کے سوا نہ اسے کوئی دوست ملے گا نہ مددگار۔"

قوموں اور امتوں کے اعمال و اخلاق کے نتائج اسی قرآنی اسلوب کے مطابق برآمد ہوتے ہیں جسے مسلمانوں نے آگے چل کر یکسر فراموش کردیا، مشرق و مغرب میں جہاں جہاں بھی وہ رہے خواہ آزاد و خودمختار ہوکر یا غلامی کے جوئے تلے، بہرحال ان کا طریقہ یکساں رہا اور وہ مغربی تہذیب اور اس کے فلسفہ پر سر دھنتے رہے، اسی کے طلسم ہوشربا نے ان کے دل کی آنکھوں کو چکا چوند کر رکھا، یہ بے چارے حالات پر قابو پانے، اہم معرکے سر کرنے نیز باریک و پیچیدہ مسائل حل کرنے میں مغرب کے ان ہی دقیانوسی طریقوں کی تقلید کرتے ہیں جنہیں اپنے ہتھکنڈے میں کچھ دن آزما لینے کے بعد خود مغرب بھی ناکارہ قرار دے چکا ہے یہ کسی بازیگری کا تقاضہ تھا کہ اس نے ان گھسے پٹے مہروں کو ردی کی ٹوکری کے سپرد کرنے کے بجائے اپنے مشرقی "قدردانوں" کو سونپ دیا تاکہ یہ "لا تازہ وارد ان بساط علم دفن" کچھ دن تک اس میں بھی بہلے رہیں اور انہیں اپنے روحانی سرمایہ کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ رہے، یہ پروپیگنڈے اور فلسفیانہ نکتہ چینی کے کند ہتھیار تھے، صحافت کے ذریعہ اس طریقہ کے حمایتیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ کرنا، عوام کو ابھارنے کے لئے بڑے بڑے جلسے اور کانفرنسیں سیمینار اور سمپوزیم منعقد کرنا، اخباری پروپیگنڈے کے ذریعہ اپنے سیاسی مخالفوں کو ہر طرح مرعوب کرنے کی کوشش، بر منصوبہ اور زرد یونین کی اتنی زبردست تعداد تیار کرنا جسکو یکجا کرنے سے اخباروں اور رسالوں کے ہزاروں صفحات بھی قاصر ہیں اور آئے دن عظیم عوامی مظاہرے ترتیب دینا یہ مغرب کے فرسودہ ہتھکنڈوں کی بنیادی چیزیں تھیں جنہیں بھولے بھالے اسلامی مشرقی عوام اور ان کی حکومتوں نے پیچیدہ ترین مسائل کا صحیح حل اور مقاصد سے ہمکنار ہونے کا واحد ذریعہ سمجھکر بے کم و کاست اپنا لیا ہو

"وہ" گویا کہ اس نے ایمان بالغیب لاکر اسے اپنے دانتوں سے دبا لیا اور پلوسے باندھ لیا جس کا انجام اپنی مکروہ ترین شکل میں آج ہر دیدہ بینا کا ناسور بنا ہوا ہے۔ (باقی آئندہ)

مطالعہ وتحقیق

۳ کروڑ ..... زیتون کے درخت

ترجمہ: ——— اقبال احمد اعظمی ندوی

سر زمین عرب میں ہر جگہ زیتون کے درخت مختلف مقدار اور تعداد میں پائے جاتے ہیں، مغرب میں اس کے درختوں کی تعداد نوے لاکھ سے زائد ہے اور تونس میں تین کروڑ، اسکی کثرت تعداد کو دیکھکر اس کو "زیتون کا شہر" بجا طور پر کہہ سکتے ہیں، اس کثرت نے تو عراق میں کھجوروں کے درختوں کی یاد تازہ کردی جن کی تعداد تین کروڑ تیس لاکھ ہے، اور سوڈان میں گوند کے لاکھوں درخت ہیں، زیتون اور کھجوروں کی اس کثرت کو دیکھکر عرب کے بڑے حصے میں زرعی دولت کا اندازہ ہوتا ہے۔

آیئے، تونس کے ساحل، خاص کر شہر صفاقس میں پھیلے ہوئے زیتون کے گھنے درختوں کی سیر کرتے چلیں، جو شہر کو تینوں طرف شمال جنوب، اور مغرب سے گھیرے ہوئے ہیں اور مشرق میں اسلئے نہیں ہیں کہ دریا حائل ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسکی افزائش میں بھی حائل ہے، اگر ایسا ہوتا تو پھر اس کے چھوٹے چھوٹے جزیروں، خاص طور سے جزیرہ قرقنہ میں زیتون کے بکثرت درخت نہیں پائے جاتے صرف علاقہ صفاقس میں ۶۵ لاکھ زیتون کے درخت ہیں، عالمی غذا اور زرعی لیبارٹری کے ڈائرکٹر نے جب ان باغات کو دیکھا تو ان درختوں کی کثرت اور نوعیت کو دیکھکر حیران اور ششدر رہ گئے، وہ بہت دیر تک شمال کے سامنے کھڑے رہے، ان درختوں کو دیکھکر انھوں نے کہا کہ دنیا کے مختلف حصوں میں زیتون کے درخت دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، لیکن اب تک اتنے بڑے درخت کہیں نہیں دیکھا۔

اگر زیتون کے درخت بول سکتے تو کتنے ہی عجائبات ان کی زبان سے سننے میں آتے، بلاشبہ زیتون کا درخت ان فی وجود کا ہم عصر ہے، نوح علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ ... طوفان کے ختم ہونے کی اطلاع ان کو اس وقت ہوئی جب کبوتری زیتون کی شاخ لے کر ان کے پاس گئی ــ جزیرہ کریٹ میں بعض تاریخی آثار سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں پر زیتون کی کاشت تقریباً ۲۵۰۰ سال قبل مسیح ہے ــ فراعنہ کے مقبروں میں بھی زیتون کے بیج ملے ہیں، اور عیسائی تو آج تک زیتون کے اس درخت کی زیارت کرتے ہیں جس کے سایہ تلے حضرت مسیح علیہ السلام نے قدس میں آرام کیا تھا۔

زیتون کے درخت کی تاریخ قدیم ہے، باشندگان تونس کی زندگی کا مدار اسی زیتون پر ہے، اگر تین کروڑ زیتون کے درخت کو ۴۵ لاکھ باشندگان پر تقسیم کیا جائے تو ہر شہری کے حصے میں اوسطاً چھ درخت آئیں گے، اگرچہ ان میں سے بعض تنہا بیس ہزار سے زائد درختوں کے مالک ہیں لیکن کیا باشندگانِ تونس کے لئے زیتون کے درختوں کی یہ مقدار کافی ہے؟ نہیں ... بلکہ مقدار کو بڑھانے کے لئے، پندرہ سال تک برابر سالانہ تیس چالیس لاکھ درخت لگانے کا پلان ہے۔ یعنی موجودہ درختوں میں چھ کروڑ مزید زیتون کے درختوں کا اضافہ پلان میں داخل ہے تاکہ ۴۵ لاکھ کے بجائے ایک کروڑ باشندگانِ .. تونس کا گذارا اسی کی آمدنی پر ہو سکے۔

موجودہ زیتون کے مزروعہ درخت تونس کی نصف آبادی کے لیے کام فراہم کرتے ہیں، وہاں کاشتکار، پھل چننے والے دلال، آئل ملوں میں کام کرنے والے مزدور ہیں، اور ڈرائیور جو زیتون کو منتقل کرتے ہیں، پھر تاجر اور مزدور ہیں جو بندرگاہوں میں سالانہ دس لاکھ ڈرام زیتون کا تیل باہر سپلائی کرتے ہیں، ان کے یہاں زیتون کی اچھی پیداوار کی وجہ سے قیمتی تجارتی گاڑیاں پورے شہر میں حرکت کرتی رہتی ہیں شادیوں پر بھی اچھی فصل کا اثر پڑتا ہے شادیاں ان اچھے موسم میں زیادہ ہوتی ہیں جن میں ایک درخت کی پیداوار تونس کے ۵۰ دینار کے برابر ہوتی ہے لیکن جب پیداوار کمزور ہوتی ہے تو گر کر ۱۰ دینار تک بھی آجاتی ہے، پھر اس وقت تونس کے رہنے والوں کو بڑی پریشانی اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہم نے زراعت کے تجرباتی مرکز کے ڈائرکٹر سے پوچھا کہ عام طور پر پیداوار کیسی ہوتی ہے، اور کمزور پیداوار کا اوسط.. کیا ہے ..؟

ہمارا جواب دیتے ہوئے ڈائرکٹر، سید محمد حکشو نے کہا، عام طور پر تونس میں جو پیداوار ہوتی تھی اب اس میں کافی کمی آگئی ہے، لیکن برابر ہم اس کوشش میں ہیں کہ ان حوادث کا تدارک کرلیں جو ہمارے دروازے پر دستک دیتے رہتے ہیں، ادھر پندرہ سال سے تونس میں زیتون کی پیداوار کی مقدار میں بہت زیادہ کمی ہوگئی ہے، خاص کر صفاقس کے علاقہ میں کاشتکاروں کو ان کی محنت کے مطابق غلہ نہیں، زیتون کی زراعت میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری پانے والے ڈائرکٹر نے اپنی بات اس قصہ پر مکمل کی: "ہم نے اس کمی کے اسباب کی تحقیق کی، تو اس نتیجہ پر پہونچے کہ تمام درخت بوڑھے ہوگئے ہیں، فرانسیسیوں اور صفاقسیوں نے ان کی کاشت ۱۹۰۵ء میں شروع کی تھی، یعنی اس وقت ان کی عمر ساٹھ سے متجاوز ہوگئی ہے اور اس عمر میں زیتون کا درخت بوڑھا ہوجاتا ہے، اور اسکی پیداوار نفی کے برابر ہوجاتی ہے۔

ہم نے ان درختوں کے شباب کو لوٹانے کا کام شروع کیا، لیکن زیادہ نفع بخش نہیں ثابت ہوا، اس کے شباب کو لوٹانے کے سلسلہ میں مختلف تجربے عمل میں لائے، لیکن اس کے لئے چار طریقے بہتر سمجھ میں آئے ان میں سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ بوڑھے درخت کی جڑ کو زمین کی سطح سے سرے کاٹ دیا جائے اس صورت میں کاٹنے کے آٹھ سال بعد زیتون نیا پھل دینے لگے گا، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر پندرہ سال پر ایک مرتبہ اسکی دوسری شاخوں کو نیچے سے کاٹ دیا جائے اس طرح کاٹنے کے چوتھے سال سے ہم کو نیا پھل ملنے لگے گا ــ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بوڑھے درخت کو اکھاڑ دیا جائے اور اسکی جگہ دوسرا چھوٹا پودا لگا دیا جائے، ایسی صورت میں لگنے کے ۱۲ سال بعد اس میں پھل آنا شروع ہوجائے گا ــ چوتھا طریقہ جسے ہم نے اختیار کیا یہ ہے کہ دو قریبی درختوں کو اکھاڑ دیا جائے اور ان دونوں کے درمیان جو جگہ ہے وہاں نیا درخت لگا دیا جائے"۔

ڈائرکٹر نے اظہار افسوس کرتے ہوئے مزید کہا کہ ان تجربوں کو عملی جامہ پہنانے کا کام دس سال ہوئے ہم نے شروع کردیا تھا، اور اس دوران میں ان کے نتائج بھی نوٹ کرتے گئے، اور ایک ایک درخت کا معائنہ بھی کرتے رہے، لیکن افسوس کہ تمام تجربے بے کار ثابت ہوئے، اس کا صحیح اور درست حل یہ ہے کہ اصلی جڑ کے بغل میں نئے پودے لگائے جائیں۔

"باقی"

آئندہ

رئیس احمد جعفری ندوی مرحوم

شمس تبریز خاں

اس ادیب کو جو جاندار شخصیت اور زندہ وتابندہ اسلوب کا مالک تھا، مرحوم لکھتے ہوئے قدرتی طور پر صدمہ ہو رہا ہے ان کی ذات سے کئی علمی اداروں کو تعلق رہا اور یہ تعلق ایسا ہے جو خاص اہمیت کا حامل ہے ندوۃ العلماء میں جب وہ زیر تعلیم تھے تو طلبہ کی قیادت ان کے ہاتھ میں تھی اور اس وقت بھی وہ ممتاز تھے، سید صاحبؒ نے اپنے مکاتیب میں ان کا ذکر بطور خاص کیا ہے، سید صاحب ان کی صلاحیتوں کے شناس اور معترف بھی تھے، ایک فطری ادیب کی طرح عہد طالب علمی میں وہ ایک پختہ کار اہل قلم ہو چکے تھے۔

ندوہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، اور پھر خلافت کمیٹی میں ان کی تحریری خدمات کا آغاز بہت نوعمری ہی میں ہو گیا تھا۔

جامعہ میں زیر تعلیم ہی تھے کہ ادھر رئیس الاحرار مولانا محمد علیؒ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ مولانا شوکت علی آپ کی صلاحیت سے واقف تھے۔ انھوں نے مولانا کی سوانح لکھنے کا اشارہ کیا اور جعفریؒ صاحب نے ماہ دو ماہ کی قلیل مدت میں تقریباً .. ۵ صفحات کی "سیرت محمد علی" لکھ ڈالی جو آج تک اردو میں محمد علی کی بہترین سوانح چلی آتی ہے ــ سوانح کی تیاری سے خوش ہو کر مولانا شوکت علی نے آپ کو بمبئی لے جاکر روزنامہ "خلافت" کا ایڈیٹر بنا دیا۔

ان کی زود نویسی اور پختہ کاری کا یہ عالم تھا کہ کئی دن تک پورا اخبار تنہا مرتب کرتے روزنامہ خلافت کے ذریعے انھوں نے جس بے باکی سے ملت کی خدمت کی ہے اور مجلس خلافت کو زندہ رکھا ہے وہ ملت پر ایک احسان ہے۔

بمبئی میں دوسرے ملی اخبارات سے بھی ان کا تعلق رہا بعد میں وہ مسلم لیگ کی حمایت سرگرمی سے کرنے لگے تھے جس کی وجہ سے آزادی کے بعد بمبئی کے وزیر اعلیٰ مرارجی ڈیسائی نے انھیں بلا کر نوٹس دیا کہ "جعفری صاحب! آپ کا پاکستان بن گیا ہے آپ وہاں جا سکتے ہیں۔

چنانچہ جعفری صاحب کو پاکستان جانا اور ہندوستان بادلِ ناخواستہ چھوڑنا پڑا۔

میں نے ایک بار انھیں لکھا کہ "جعفری صاحب! کیا آپ نے اپنے وطن خیرآباد کو خیرباد کہکر ہمیشہ کیلئے خراب آبادی کرنے کا ارادہ کر دیا ہے" تو انھوں نے بڑی حسرت سے مجھے لکھا کہ "ــــ آپ نے خیرآباد کا ذکر کرکے

ع اک تیر میرے سینہ پہ مارا کہ ہائے ہائے!

اور پھر آگے بڑے عمیق لہجہ میں ایک شعر لکھا ہے

وہ ڈالیاں چمن کی وہ اپنا آشیانہ!

مولانا محمد علیؒ سے ان کی محبت، عشق و عقیدت کے درجہ تک تھی، اور یہی بات مجھے ان کی طرف کشش کا باعث ہوئی۔

میں نے ان کے مرتبہ مضامین محمد علی، مقالات محمد علی، مطائبات محمد علی، وغیرہ پڑھکر انھیں لکھا کہ کیوں نہیں آپ ایک محمد علی اکیڈمی کی بنیاد ڈالتے، اس پر انھوں نے جواب لکھا کہ آپ کے قلم سے بات نکلی اور ادھر اس نے عملی ارادہ کی شکل اختیار کرلی یعنی میں نے "محمد علی اکیڈمی" کی بنیاد رکھدی ہے، اس کے ساتھ ہی انھوں نے "محمد علی اکیڈمی لاہور" کا منشور اور اسکے اغراض ومقاصد پر کتابچے مجھے بھیجے، پھر ان کی فرمائش پر میں نے دار العلوم دیوبند کے کتب خانے سے ہمدرد دہلی کی فائلوں کی نشاندہی کی۔

ایک بار جب وہ اپنی کتاب "علی برادران" مرتب کر رہے تھے تو انھوں نے مجھے لکھا کہ مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے تاثرات مولانا محمد علی سے متعلق بھیجوں، میں نے مہتمم صاحب مدظلہ سے ذکر کیا تو وہ بڑی دیر تک محمد علی مرحوم کا ذکر کرتے رہے اور پھر انہوں نے ایک مفصل مضمون عنایت فرمایا جسے میں نے جعفری صاحب کو بھیجدیا، اور .... انھوں نے "علی برادران" کے شروع میں درج کیا۔ مولانا محمد علی کے تحریری کارناموں کو جس شوق و شغف اور محبت و اہمیت کے ساتھ انھوں نے زندہ کیا وہ خود ان کا حصہ ہے۔

وہ مولانا محمد علی پر سند (Authority) تھے مولانا شوکت علی، خلافت کمیٹی اور انکی تاریخ پر انھوں نے اتنا لکھا ہے کہ انھیں ناقابل فراموش بنا دیا ہے مولانا محمد علی سے انکی شغف کی بنا پر وہ مخدومی مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی مدظلہ سے ملے تو انھوں نے ہمدرد اور کامریڈ کے فائل ان کی نذر کردیئے تھے خدمت کا ان میں جو سرگرم جوش و جذبہ تھا وہی انھیں زود نویسی پر مجبور کرتا تھا۔ کوئی سال خالی نہیں جاتا تھا کہ اس میں ان کی متعدد کتابیں نہ شائع ہوں، غالباً وہ موجودہ مصنفین میں اردو کے کثیر التصانیف اہل قلم تھے ان کی طبیعت کی جولانی اور قلم کی روانی کا یہ حال تھا کہ کسی صنف سخن میں وہ بند نہیں تھے، ایک کامیاب مصنف، ایک ممتاز صحافی، ایک وسیع النظر مورخ، ایک لائق مترجم ایک صاحب طرز ناول نگار تھے۔

ان کا اسلوب اتنا شستہ و شگفتہ، اتنا پر زور اور جاندار ہوتا تھا کہ انھیں صاحب طرز کہا جا سکتا ہے ان کی صحافت، ناول نویسی، اور ترجمہ نگاری ایک خاص طرز و اسلوب رکھتی ہے اردو کے کامیاب در صاحب طرز مترجمین مولانا ظفر علی خاں، مولوی عنایت اللہ دہلوی اور مولانا غلام رسول مہر کے ساتھ ان کا نام ہمیشہ لیا جاتا رہے گا، خاکہ نویسی اور اسکیچ نگاری میں بھی انھیں بصیرت تھی، ان کی کتاب "دید و شنید" قابل دید اور لائق داد ہے۔

ان کی محبوب ادا جو شاید ان کا سامانِ مغفرت بنے، ملت سے محبت تھی، وہ پوری عمر ملت کی خدمت گذاری میں کسی نہ کسی طرح لگے رہے۔ ناول نگاری بھی کی تو اسے اسلامی قدروں سے قریب لائے اور صالح معاشرتی ناولوں میں اضافہ کیا۔ رومانیت اور سطحیت سے کبھی قلم کو آلودہ نہیں ہونے دیا۔

ڈاکٹر نذیر احمد اور راشد الخیری، اور مولانا شرر کی روایات کو آگے بڑھایا، زبان کی سلاست، جذبہ کی صداقت، اور بیان کی صالحیت کے سبب ان کی ناولیں زندہ رہیں گی۔

باقی صفحہ ۔۔ پر

(مسلسل)

حضرت زینب رضؓ تاریخ کے آئینہ میں

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ایم اے پی ایچ ڈی
(لکچرار ونکٹیشور یونیورسٹی دکن)

امام نسائیؒ فرماتے ہیں۔
قال النسائی الکذابون المعرضون بوضع الحدیث اربعۃ
ابن ابی یحییٰ بالمدینۃ والواقدی ببغداد ومقاتل بن سلیمان بخراسان ومحمد بن سعید المصلوب بالشام
مدینہ میں ابن ابی یحییٰ۔ بغداد میں واقدی۔ خراسان میں مقاتل بن سلیمان اور شام میں محمد بن سعید جس کو پھانسی دے دی گئی۔

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:
لا ینبغی التشاغل بہما
کہ واقدی کی بیان کردہ احادیث میں مشغول نہ ہونا چاہیئے۔

واقدی کا دور امین الرشید اور مامون الرشید کا دور ہے واقدی نے عمداً عباسیوں کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ "مغازی" میں اس نے یہ واقعہ سرے سے ذکر ہی نہیں کیا کہ حضرت عباس پہلے کافر تھے اور بدر میں دوسرے کافروں کے ساتھ گرفتار کئے گئے، ان کا ذکر نہ آنے سے عباسیوں کو خوش کرنا مقصود تھا، اگر چہ وہ بعد میں اسلام لائے۔

اس طرح اس نے عباسی بادشاہوں کی عیش وعشرت کی زندگی کو بھی بیان نہیں کیا، اگر چہ دوسرے مورخین مثلاً ابن اثیر، طبری اور مسعودی وغیرہ عباسی خلفاء کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کی تصویر کشی کرتے ہیں مگر واقدی یک رخی تصویر پیش کرتا ہے، واقدی کے کذب وافتراء کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ آنحضرت کے ایسے واقعات بیان کرتا ہے جو عباسی خلفاء کی عیشانہ زندگی کی تائید کرتے ہوں۔

طبقات ابن سعد میں اصل روایت اس طرح ہے۔
وانما عجلت زینب ان تلبس لما قیل لہا رسول اللہ علی الباب فوثبت علی عجل فاعجبت رسول اللہ فولّی وھو یھمھم بشئ لایکاد یفھم منہ الا ربما اعلن سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ مصرف القلوب۔

"جب حضرت زینبؓ سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دروازے پر کھڑے ہیں تو انہوں نے کپڑے پہننے میں جلدی کی۔ جلدی میں کودیں تو بھلی لگیں رسول اللہ کو، آپ مڑ گئے اور کچھ منہ ہی منہ میں کہنے لگے جو سمجھا نہ جا سکا سوا اس کے کہ آپ نے زور سے کہا کہ سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ العظیم دل کے پھیرنے والے

طبری نے اپنی تفسیر میں اتنا اور مزید بیان کیا ہے!
وعلی الباب ستر من شعر فرفعت الریح الستر فانکشفت وھی فی حجرتہا حاسرۃ فوقع اعجابہا فی قلب النبیؐ الخ
"دروازہ پر بالوں کا پردہ تھا، ہوا نے پردہ اٹھا دیا حضرت زینبؓ کھل گئیں اور وہ اپنے کمرہ میں برہنہ تھیں، آنحضرت کے دل میں ان کی پسندیدگی گھر کر گئی۔"

مذکورہ دونوں بیانوں میں تضاد ہے کہ پہلے بیان میں عجلت کو بدن کھل جانے کا سبب بتایا گیا ہے اور دوسرے میں ہوا سے پردہ اٹھنے اور حضرت زینبؓ کے (بعض حصے) کھلے رہنے کو سبب قرار دیا گیا ہے۔

اس تحقیق کے بعد پھر کیا سوال رہ جاتا ہے کہ اس تاریخی و متضاد روایت کو صحت کا درجہ دیا جائے؟ کیا ان واقعات سے ثابت نہیں ہوتا کہ شیعہ راوی و مورخ واقدی نے یہ روایت گڑھی ہے اور ابن سعد جو اس کا شاگرد ہے اس نے طبقات میں شامل کر لی ہے جس سے دوسرے مورخین نے نقل کیا ہے۔ پھر بنت الشاطی یا کسی کو یہ کہنے کا کہاں موقع رہ جاتا ہے کہ اس دور میں مستشرقین کہاں تھے جو اسلام کے خلاف حقائق کو مسخ کر کے پیش کرتے؟ میں عرض کرتا ہوں کہ وہ دور تو اس سے بھی خطرناک تھا جس میں اسلام کے مخالفین اور آنحضرت سے بغض رکھنے والے بے شمار احادیث گڑھ کر آپ کی طرف منسوب کردیتے تھے پھر شیعوں کا کردار اس بارے میں واضح ہے یعنی اس دور میں، جس میں واقدی تھا۔

رہ گیا کشاف کا بیان تو یہ ایک بین حقیقت ہے کہ اکثر مفسرین اس روایت کے فریب میں آگئے ہیں۔ خود تفسیر و تاریخ طبری دونوں میں یہ روایت متضاد انداز سے موجود ہے، ظاہر ہے کہ طبری کی تفسیر پہلے لکھی گئی اس کے تتبع میں زمخشری نے بھی اس روایت کو صحیح مان لیا اور عقلیت و فلسفہ کے رنگ کو اس میں شامل کر کے گویا دلیل بنانے کی کوشش کی، مگر یہ بھی کوئی دلیل ہے کہ پہلے جو اصل جوانی کا زمانہ تھا آپ نے حضرت زینبؓ سے نکاح اس لئے نہ کیا کہ دل نہ چاہا، زمخشری کو دل چاہنے اور نہ چاہنے کا حال کیونکر معلوم ہوا؟ محض عقلی قیاس کے طوطے انہوں نے بنا کر اڑا دیا ہے ہاں اگر کوئی مفسر محدثین کے معیار پر پرکھ کر اس روایت کو صحیح ثابت کرے تو قابل قبول ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں زمخشری نے روایت کی صحت پر کوئی بحث نہیں کی۔

اللہ تعالےٰ نے یہ شادی حضورؐ سے اسلئے کر دی تاکہ حضرت زینبؓ کی ازدواجی زندگی سے جو ان کو ناخوشگواری تھی وہ خوشگواری میں تبدیل ہو سکے چونکہ یہ شادی اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ سے آپ نے حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی کے علی الرغم کرنی چاہی تھی اور جب حضرت زینبؓ نے غلام سے

ملہ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۳ ملہ یہ پوری بحث ملاحظہ ہو حضرت زینب بن جحش از ڈاکٹر یوسف عباس ہاشمی ہاروررڈ یونیورسٹی اسلامک کلچر (انگریزی) سہ ماہی حیدرآباد (دکن) جنوری ۱۹۶۷ء ص ۳۱-۴۳ ملہ ابن سعد، طبقات ج ۸ ص ۷۱/۷۲
ملہ جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۲۲ ص ۱۰/۱۱ (مطبوعہ قاہرہ)
ملہ اسلامک کلچر جنوری ۱۹۶۷ء مقالہ "زینب بنت جحش"

:- مسلسل :-

یروشلم

از:- خاور شناس

لاکھوں کے سرتے ہی امراض پھیلے سلطان کی صحت بھی متاثر ہوئی۔ اطباء کے مشورہ پر چند ماہ کے مقام (دا لخزاب) میں سلطان مقیم رہے، اس عرصہ میں عیسائیوں نے پھر طاقت جمع کی اور بحری راستوں سے نہ رکنے والی رسد اور کمک کی آمد کے سہارے از سر نو شکستہ عسکری قوت میں جان ڈالدی۔ اور عکہ پر دوسرا حملہ کیا۔ ۱۱۹۰ء میں سلطان پھر اس میدان جنگ میں پہونچا، مصر سے بھی فوجی کمک پہونچی۔ زبردست بحری جنگ (NAVAL) میں عیسائی افواج کا قلع قمع ہو گیا، مصری جہاز عیسائی بندرگاہوں پر قابض ہو گئے۔ ۲۵ جولائی ۱۱۹۰ء کی جنگ میں اس قدر عیسائی فوجیں ہلاک ہوئیں کہ پہلے اس کی مثال نہیں ملتی، عیسائی ہمت ہار بیٹھے۔ دو ہی دنوں بعد کاؤنٹ ہنری کی قیادت میں یورپ سے نئی کمک پہونچی۔ مصری شاہ انگلستان اور شاہ فرانس دونوں کا عزیز اور رشتہ دار تھا، اس کی فوجیں عکہ کے قریب جمع ہوئیں، اس کے بعد پے درپے فوجی ڈویژن پہونچتے رہے، سلطان کی فوج سے مقابلہ ہوا، ہزیمت عیسائی قسمت کا نوشتہ تھا۔ ۲۰ اپریل ۱۱۹۱ء کو پھر ایک فوجی ڈویژن پہونچا اور ہزیمت خوردہ افواج کی تقویت کا باعث بنا۔ اس اثناء میں شاہان یورپ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں ۱۱۹۱ء میں شاہ فرانس فلپ آگسٹس بھاری فوج لیکر پہونچا، شیر دل رچارڈ بھی سمندری جہازوں پر مسلح افواج لیکر وارد ہوا۔ تمام افواج نے متحدہ طور پر پھر عکہ کا محاصرہ کیا۔ ۲ سالوں تک محاصرہ قائم رہا، مسلم افواج جس سے بے حس ہو چکی اور مقابلہ کرتی رہیں، بالآخر رسد کی کمی اور بروقت فوجی امداد کی کمی کی وجہ سے مسلم کمانڈر کا دفاع کمزور ہو گیا اور مقامی مسلم افواج نے ہتھیار ڈالدیا، عجلت میں سلطان کو خبر کئے بغیر ہتھیار ڈالکر صلحنامے پر دستخط ثبت کر دیئے شرائط حسب ذیل تھے:

(۱) عکہ کا سقوط تسلیم کیا جائے
(۲) دو لاکھ طلائی سکے عیسائی حکام کو دیئے جائیں۔
(۳) اصل صلیب (HOLY CROSS) عیسائیوں کو واپس دی جائے (اصل صلیب کی تفصیلی داستان لین پول کے صفحہ ۳۰۸ کے حاشیہ پر ملاحظہ ہو۔
(۴) مارکیس آف مانٹ فرٹ کو ہزار طلائی سکے دیئے جائیں۔

سلطان کو ان شرائط کا علم ہوتے ہی شدید صدمہ ہوا اور کمانڈروں کی عجلت اور ناعاقبت اندیشی پر حسرت وافسوس ہوا لیکن صلح پر چونکہ دستخط ثبت ہو چکے تھے لہٰذا مومن کی شان سے شرائط معاہدے کی پابندی کی شان ایمان کے خلاف تھا سلطان نے ان شرائط کا احترام کر کے فرض تصور کیا۔ مسلم کمانڈر نے شاہ فرانس سے التجا کی کہ وہ مسلمانوں کو بحفاظت شہر سے نکل جانے کی اجازت دے۔ شاہ نے صاف انکار کر دیا۔ وہ بعض شرائط پر مسلمانوں کو محفوظ نکل جانے کی اجازت دینے پر آمادہ ہوا کہ سلطان یروشلم واپس کرے نیز دیگر مفتوحہ علاقے بھی واپس کئے جائیں جو ممکن نہ تھا، طلائی سکوں کی ادائیگی میں ذرا دیر ہوئی اور شیر دل رچارڈ نے وہی ہوشربا مظالم کئے جو ۱۰۹۹ء میں فاتحین یروشلم نے مفتوح مسلمانوں پر کئے تھے۔

ان مظالم کی داستان لین پول اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۶ پر رچارڈ کا سفرنامہ ITINERARY OF RICHARD. سے نقل کرتا ہے۔ رچارڈ ترکوں کے خون کا پیاسا تھا، وہ پیغمبر اسلام کے قوانین و احکام اور شریعت محمدی کو مغلوب کر کے عیسائی شریعت کو غالب کرنے کی قسم کھا کر یورپ سے چلا تھا۔ لین پول لکھتا ہے کہ جمعہ کے دن رچارڈ نے دو ہزار سات سو ترکوں کو شہر سے باہر لے جا کر قتل کروا دیا، صرف سروت اور صحتمند لوگ جو محنت کے قابل تھے چھوڑ دیئے گئے ضعفاء اور کمزوروں کو عورتوں اور بچوں کو بے دردی کے ساتھ تہ تیغ کیا گیا مسیحی مورخ رقمطراز ہے کہ صلاح الدین کی فیاضی اور رحم و عفو کے کارنامے دیکھ کر شاہ رچارڈ کی بربریت تعجب خیز معلوم ہوتی ہے لیکن صلیبی تاریخ کے طالب علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ اس پوری جنگ میں تہذیبی محاسن عظمت و برتری رواداری، حقیقی شجاعت اور پاکیزہ ثقافت ہمیشہ مسلم ترکوں کے ساتھ رہی۔

After saladin's almost quixotic acts of clemency and generosity, the King of England's Cruelty will appear amazing. But the students of crusades do not need to be told that in this struggle the Virtues of civilization, magnanimity to lexation, real chivalry, and gentle culture, were all on the side of the saracens.."

اس وقت رچارڈ کے ماتحت ۳ لاکھ فوج تھی لے

بدکاری و عیاشی بے مثال تھی رچارڈ کے حکم کے مطابق ... خواتین شہر سے نکال کر فوج کے ساتھ رکھی گئی تھیں شہر میں دھوبی کی عورتیں چھوڑ دی گئیں چنانچہ شہری، غارت گری کے بعد جب وہ (ASCALON) کی طرف بڑھا تو ایک لاکھ خواتین اس کی فوج کے ساتھ تھیں ہے

رچارڈ کی فوجیں ارسوف کے میدان میں جمع ہوئیں۔ سلطان کی فوجیں آمنے سامنے جمع ہوئیں۔ لین پول ص ۳۱۳ پر جنگ کا نقشہ ... کی سوانح سے نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ انتہائی خوفناک جنگ ہوئی اور رچارڈ کا پلہ بھاری رہا سلطان کی فوج کو بھاری نقصان ہوا ۸ ہزار مسلم شہید ہوئے، لیکن ان نقصانات کے باوجود سلطان ڈٹا رہا اور رچارڈ کے چھکے چھڑا دیئے، عاجز آکر رچارڈ نے سلطان سے صلح کا خواہاں ہوا۔ اور جب ذیل عاجزانہ شرائط سلطان کی خدمت میں ارسال کیں۔

(۱) سلطان کے بھائی ملک عادل کی ...

لہ لین پول (مرجع سابق) ص ۳۰۶
لہ لین پول (مرجع سابق) ص ۳۱۳
لہ ایضاً ص ۳۰۲-۳۰۳
لہ ایضاً ص ۳۰۸
لہ ... کی تفصیل ...
... پیشگوئی کا دلچسپ ... لین پول ...
... لین (مرجع سابق) ...

یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ انقلابی جنگ کو مکمل کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے اس طرح کی معمولی معمولی جھڑپیں بالکل ناکافی ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی طے ہے کہ یہ جھڑپیں ایک ایسے قومی لشکر کی بھرپور مدد کرسکتی ہیں جو دشمن کو مقبوضہ زمین سے نکال باہر کرنے اور اس پر اچانک ایک کاری ضرب لگانے کی فکر میں ہو، چھاپہ ماروں کی وہ تمام کارروائیاں جن کا زیادہ تر مقصد دشمن کو خوف وہراس میں مبتلا کرنا اور اسکی صفوں میں افراتفری مچانا ہوتا ہے، دراصل قومی لشکر کی طرف سے دشمن پر ایک بھرپور اور کاری ضرب کی تمہید ہوتی ہیں، چھاپہ ماروں کو دشمن کی توجہ دوسری طرف مبذول کرانے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جبکہ عین اسی وقت لشکر دوسری جگہ پر جہاں دشمن غافل ہے کارروائی کر رہا ہوتا ہے، موٹی سی بات ہے کہ یہ دونوں طاقتیں اس وقت تک اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی ہیں جب تک کہ ان کا ہر ہر قدم نپا تلا اور ایک ہی پلان کے مطابق نہ ہو، اس حقیقت کی ایک کمیونسٹ چینی لیڈر نے اپنے الفاظ میں کتنی اچھی تعبیر کی ہے، وہ کہتا ہے کہ "چھاپہ ماروں اور باقاعدہ قومی لشکر کی مثال ایک جسم کے دو پیروں کی مثال ہے، ان دونوں پر منزل تک پہونچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک سمت ساتھ ساتھ ہم آہنگ ہو کر چلیں۔"

ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ ہماری یہ تحریک روز بروز لنگڑی ہی ہوتی جا رہی ہے کیونکہ جس وقت ہم دشمن کے ساتھ میدان کارزار میں سرگرم ہوتے ہیں تو یہ تحریک اپنا ایک ہی پاؤں استعمال کرتی ہے اور دوسرا [illegible] قومی لشکر محض تفریح کرتا رہتا ہے۔ لیکن ہم کو اس سے بھی زیادہ خطرناک چیز کے لئے ہمہ تن تیار رہنا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب قصر صدارت کی مصلحتیں ہماری تحریک سے ٹکرائیں تو یہ لشکر خود ہم پر پیچھے سے وار کرتا تھا، ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کا سبب فوج کی خیانت تھی یا تحریک سے ان کی ناواقفی اور علیحدگی، یا انگریزوں کی حد سے زیادہ مکاریاں اور اس لشکر پر انگریزوں کی فوقیت برتری، ایک سبب تھی، جو کچھ بھی ہو

مسلسل

مہمات

نیل کے مجاہد

* ترجمہ —— سید صدیق نسیم ندوی

مصر پر برطانوی حملہ کی تاریخ کی ورق گردانی —— ہم اس کو تفصیل سے دیکھیں گے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انگریز تخت خدیوی کو فوجی بغاوت سے محفوظ رکھنے کے بہانے ملک میں آئے اور پھر یہاں مضبوطی سے اپنے قدم جمالئے، اور یہ بہانہ انگریزوں اور خدیو توفیق کے درمیان ایک عظیم فوجی معاہدہ کی بنیاد بن گیا، جس کا خاص مقصد فوج سے انقلابی روح اور انقلابی عنصر کو نکال دینا تھا، اب انگریزوں کے نزدیک مصری فوج ایک جیت کئے ہوئے دشمن سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا، لہذا وہ اس پر حتی الامکان کڑی نظر رکھتے تھے اور اس کو فوجی تربیت دیتے تھے، اس لئے نہیں کہ وہ اپنے اور ملک وقوم کے دشمن پر ضرب لگائے، بلکہ اپنے خیر خواہوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپے، مصری لشکر کے متعلق تقریبا یہی خواہش خدیو مصر کی بھی تھی، مگر پھر تخت اور انگریز کے درمیان یہ معاہدہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ کمزور سے کمزور ہوتا گیا، کیونکہ جب دونوں کی مصلحتیں آپس میں ٹکراتی تھیں تو دونوں فوج کے بارے میں الگ الگ قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاتے تھے، تاکہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہیں، اس طرح سے گویا مصری فوج چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آچکی تھی، انگریز کی سیاست کا تقاضا ہی یہ تھا کہ مصری فوج کو اتنا کمزور اور بے بس کر دیا جائے کہ اس پر آسانی سے کنٹرول رہے، اس کے لئے وہ ان تمام ممکن ذرائع ووسائل کو استعمال کیا کرتے تھے جیسے فوج کو اسلحہ سے محروم رکھنا، اسکو جدید فنون حرب کی ٹریننگ سے مکمل نابلد رکھنا کہ اگر خدانخواستہ کبھی ہتھیار ہوں بھی تو یہ ان ہتھیاروں کے وزن ہی سے دب کر رہ جائے اور انھیں لے کر آگے نہ بڑھ سکے، ان کی اس سیاست کا نتیجہ ان کے پلان کے مطابق تھا، اس نے فوج کو کفایت وقناعت، بجا گھمنڈ وغرور کے ایسے درجہ پر پہونچا کر چھوڑ دیا جہاں سے صحیح سالم اترنے کی کوئی صورت نہیں تھی، یہ تو فوج کے بارے میں انگریزوں کی سیاست تھی، اور اگرچہ قصر حکومت کی سیاست اس سے قدرے مختلف تھی لیکن بہرحال اس کا اختتام بھی انھیں نتائج پر ہوتا تھا، قصر سلطنت خاص کر شاہ فاروق کے عہد میں یہ تو چاہتا تھا کہ فوج کی کمان ایک طاقتور شخص کے ہاتھوں میں ہو جو ملک وقوم کی بھلائی کے لئے اپنی مدد سے کارروائی کرے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مزید یہ بھی چاہتا تھا کہ اس عہدہ پر ہی اشخاص آئیں جن پر صاحب تاج کو مکمل بھروسہ ہو، دراصل ان کی لیاقت واستعداد کی کسوٹی یہ تھی کہ وہ فن خوشامد وچاپلوسی میں ماہر ہوں اور بادشاہ کے ارادہ اور اس کی مرضی سے ایک تمہ بھر ہٹنے کی کوشش نہ کریں، اس سیاست نے عملی طور سے فوج کو قومی تحریک سے بے دخل کر دیا تھا، یہی نہیں بلکہ جس وقت ایوان شاہی کی مصلحتیں فوج سے ٹکرائیں تو وہ اسے کچلنے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا، لیکن اس کے باوجود قومی تحریک فوج میں مقبولیت حاصل کر رہی تھی، چھوٹے چھوٹے افسروں میں قومی شعور روز بروز

مصری فوج

اور

میدان کارزار

بڑھتا جا رہا تھا اور شاہ فاروق اس سے لاعلم بھی نہیں تھے، اسی وجہ سے فوج میں انھوں نے ہر طرح اپنے جاسوس پھیلا دیئے تھے، وہ اپنے اعلا اختیارات کا بیدریغ استعمال کرتے تھے، افسروں کو گرفتار کیا جانے لگا، ان کو ملک بدر بھی کر دیا جاتا تھا، اب حالات نے انھیں احساس دلا دیا تھا کہ قومی جذبہ کا یہ سیلاب کسی معمولی کارروائی سے نہیں رک سکتا بلکہ اس کے لئے ایک عظیم بند بنانے کی ضرورت ہوگی، اس کے لئے انھوں نے ترپ کا آخری پتہ بھی استعمال کر ڈالا اور ایک نئی جماعت کی تشکیل "فولادی محافظ" کے نام سے کی گئی تاکہ محب وطن افسروں کو ڈرایا اور دھمکایا جائے اور بوقت ضرورت ان کو اغوا کرا دیا جائے، انگریزوں کی سیاست کے دور رس مقاصد نے اگر ایک طرف مصری فوج کو ناکارہ کرنے میں پورا پورا حصہ لیا، تو دوسری طرف شاہ فاروق کی اندھی سیاست کے تابوت میں آخری کیل بھی ثابت ہوئے،

بعد کے حالات سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس قسم کی تمام باتیں قومی جذبہ کو فوج کے دل میں اترنے سے باز نہیں رکھ سکتیں جو روز بروز جنرل عزیز مصری اور دوسرے چھوٹے چھوٹے افسروں کی قیادت میں اصلاحی اور تطہیری مہم کی صورت میں پروان چڑھ رہا تھا، جس کا مقصد انگریزی اثر ونفوذ سے چھٹکارا پانا اور مصری افسروں کی قیادت میں فوج کو جدید ترین فنون جنگ کی تربیت دینا تھا۔

ان افسروں کی خواہش کے عین مطابق "میجر رشاد مہنا" کی قیادت میں ایک کارروائی اور ہوئی جس نے فوجی قیادت کو بدل کر مناسب ہاتھوں میں دے دیا، اس کارروائی سے پہلے جنرل ابراہیم عطا اللہ سب سے آخری جنرل تھے جن سے فوج کو کوئی توقع تھی اور ان پر بھروسہ کرتی تھی اور پھر ۲۳ رجولائی ۵۲ء کو ایک بڑی فوجی بغاوت رونما ہوئی جس کی قیادت جنرل نجیب کر رہے تھے اور جس میں شاہ فاروق معزول کر دیئے گئے اس طرح پہلی بار فاسد اور اندھی حکومت کے بجائے ایک صحتمند جمہوریت کے لئے راستہ صاف ہوا

"باقی"

دین کی سیاسی تعبیر!

از مولانا وحید الدین خانصاحب

قیمت —— عہ

ملنے کا پتہ

اسلامک پبلشنگ ہاؤس ۹ بدرقہ اعظمگڈھ (یوپی)

یہ رسالہ جو ۷ صفحات پر مشتمل ہے دراصل مولانا وحید الدین خاں کی کتاب "تعبیر کی غلطی" کا خلاصہ ہے

جس میں موصوف نے مولانا مودودی سے اپنے اختلاف کی اصل وجہ کی نشاندہی کی ہے یہ رسالہ مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔ تنقید، غلطی کی نوعیت، دین کی سیاسی تعبیر، مولانا مودودی کا لٹریچر، قرآن وحدیث سے استدلال، غلط تعبیر کہاں سے جاتی ہے، خاتمہ، ذہنیت کام کرتی ہے

ناظرین کرام سے

ایک دردمندانہ درخواست

تعمیر حیات کے وہ سرپرست جو سالانہ یا ششماہی خریدار ہیں ان کو مدت خریداری کے خاتمے سے ۲ ہفتے پہلے اطلاع دے دی جاتی ہے، اگر مدت کے اندر ان کا چندہ نہیں آتا تو ۲۰ رون کے بعد وی پی کر دی جاتی ہے

افسوس کی بات ہے کہ اطلاع کے باوجود وی پی واپس آجاتے ہیں جس سے ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کی پوری گنجائش رہتی ہے کہ ایک پوسٹ کارڈ کے ذریعہ

اپنے فیصلے کی اطلاع دیدی جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے کرم فرماؤں کی ذرا سی توجہ ادارہ کو ہر نقصان سے بچاسکتی ہے۔

"نیاز مند منیجر"

خط وکتابت

کے وقت حوالہ نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں

بقیہ

رئیس احمد جعفری ندوی مرحوم

"بہادر شاہ ظفر" اور "۱۸۵۷ء" ان کے اسلوب کا اچھا نمونہ ہیں۔

ان کی مرتبہ مذکورہ کتابوں کے علاوہ نگارشات محمد علی اور افادات محمد علی، حیات قائد اعظم وغیرہ بھی خاصی اہم ہیں، "اسلامی رواداری" پر دو جلدوں میں تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے ان کے قلم کا ایک بڑا میدان ترجمہ بھی ہے ترجمہ میں تالیف کا لطف پیدا کر کے گویا کتاب کو اپنا لیتے تھے، مولانا آزاد کی Indiawins Freedom کا ترجمہ انھوں نے کل ۲۵ دن میں کر لیا اور اسکے مباحث کو ایک عنوان کے تحت کر کے اسے مفید بنا دیا ہندوستان چھوڑنے کا انہیں صدمہ نہیں بھولتا تھا۔ اسی کتاب کو مرارجی ڈیسائی کے نام معنون کر کے لکھا ہے۔ "جنہوں نے مجھے نہایت تلخ وترش لہجہ میں کہا کہ آپ کی جگہ ہندوستان میں نہیں ہے اور جس قدر جلد آپ چلے جائیں آپ کیلئے بہتر ہوگا"

ادھر انہوں نے ناول نگاری چھوڑ کر عربی کی اہم کتابوں TEXTBook کے ترجمے شروع کئے تھے جن میں ابن القیم کی زاد المعاد* سرفہرست ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جدید عرب دانشوروں میں شیخ ابو زہرہ کی آئمہ اربعہ پر کتابوں کے ترجمے بھی قابل قدر ہیں، ان کی صحافتی خدمات بھی جلد فراموش نہیں کی جاسکتی ہیں، وہ روزنامہ "خلافت" بمبئی کے ۳۴-۳۹ء، روزنامہ "ہندوستان" بمبئی ۳۹-۴۱ء، روزنامہ "انقلاب" ۴۲-۴۷ء تک ایڈیٹر رہے، پھر کراچی آکر روزنامہ "خورشید" ۴۸ء تک نکالا، پھر ۵۳-۵۴ء میں ماہنامہ "ریاض" نکالا جس کا سلیمان نمبر بھی نکلا۔

مولانا ظفر علی خاں بڑھاپے سے معذور ہو گئے تو ۵۴-۵۵ء میں "زمیندار" کو سنبھالا۔ ادھر [illegible] فردواحد نے اکیڈمی کا کام کر ڈالا۔ [illegible]

بقیہ "دین ملت اسلامی کی تنظیم کا نیا دور"

ملوک وسلاطین!

خلافت نبوی کے سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے جس گروہ نے اسلامی سیاست کو قیصر وکسریٰ کے نمونے پر تعمیر کیا تھا وہ ملوک وسلاطین کا طبقہ تھا، انھوں نے سیاست اسلامی کو امانت، عدل ومساوات فرائض وحقوق انسانی (اسلامی) کے محرک سے پوری طرح جدا کرتے ہوئے بجز غالب طبقات واشخاص کے مفاد ذاتی کے لئے آلہ جبر کی حیثیت دی۔

سیاسی ادارے کی یہ حیثیت ہمیشہ سے رہی ہے اس سے استثنا کی حیثیت تاریخ انسانی میں محض لمحات کی ہے اور اسی کی عالمگیر تاریخی استثنا خلافت راشدہ ہے۔ (باقی آئندہ)

مراسلات

صاف اور خوشخط لکھئے

* نہج البلاغہ، کتاب الاغانی وغیرہ ۲ ناولوں میں مشاہیر اسلام "حضرت علی" "مروان" اور "حجاج" کے علاوہ "زاہدہ علیشاہ" اور "انا طھو" ریاض خیرآبادی کا تذکرہ ہے اور رسالہ بھی اسکیچ نگاری کا دلچسپ نمونہ ہیں۔

(بقیہ یروشلم)

شادی رچارڈ کی بہن شاہ سسلی کی بیوہ ملکہ سے کی جائے۔

(۲) ساحلی علاقوں کے تمام شہر جو عیسائی کے قبضہ میں تھے رچارڈ ملک العادل کو بطور جہیز پیش کرے گا

(۳) ملک العادل اور رچارڈ کی بہن دونوں یروشلم کی متحدہ اور مشترکہ حاکم قرار دیئے جائیں۔

یروشلم پر شوہر اور بیوی دونوں کا قبضہ تسلیم کیا جائے۔ شہر کو غیر جانبدار (نیوٹرل) قرار دیا جائے نیز سارا فلسطین ملک العادل کی ملکیت قرار دی جائے۔

(۴) فریقین قیدیوں کا تبادلہ کرلیں۔

(۵) اصل صلیب ہمیں (...) عیسائیوں کے حوالہ کی جائے۔

"باقی"

بقیہ اداریہ

وہ اس ملک کی صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھانا بھی نہیں چاہتے، نہ اس کے لئے کوئی نیا مسئلہ کھڑا کرنا چاہتے ہیں، وہ بہت سے نام نہاد قوم پرستوں سے زیادہ وطن دوست اور ملک کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں، اور سیکڑوں برس سے اپنا نشیمن سمجھتے آئے ہیں، لیکن ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اب وہ اس قدیم و پامال روش کو ترک کرنے کا عزم کرچکے ہیں، جس پر چل کر نہ اب تک ان کا کوئی بھلا ہوسکا ہے نہ ملک کا۔ صرف تجربہ نے ان کو یہ اچھی طرح سے یہ بتا دیا ہے کہ جبکے پیٹ میں درد ہے دوا کی فکر بھی اسی کو کرنی چاہیئے، یہ کون سی عقلمندی ہے کہ اگر فرقہ وارانہ فسادات ہوں تو مسلمان اس کے منتظر رہیں کہ دوسرے بھائی دوڑ کر کاش زائن ان کو آکر بچائیں گے، اردو کا یا تعلیم کا مسئلہ ہو تو وہ اس خیال میں رہیں کہ فلاں سیاسی جماعت، فلاں کمیٹی، اور فلاں وزیر صاحب اس مسئلہ کو حل کرکے طشتری میں لگا کر اسکے سامنے پیش کردیں گے۔ اگر ان کے کچھ مسائل ہیں تو کسی جماعت کے ڈسپلن اور حدود کے اندر رہ کر اور کسی جشم وابرو کے انتظار میں رہتے ہوئے اور محض چند افراد کے جذبہ انسانیت کے بھروسہ پر یہ مسائل ہرگز نہیں حل ہوسکتے، یہ مسائل خدا پر اعتماد اور اپنی صلاحیتوں اور اپنے وسائل کو یکجا کرکے ہی حل ہوسکتے ہیں، ہمیں اس سلسلہ میں دوسروں سے یقیناً مدد ملے گی لیکن یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ کمزوروں کی مدد کرنے بھی کوئی نہیں آتا، دوسروں کا عملی اور ٹھوس تعاون بھی ہمکو اسی وقت حاصل ہوگا جب ہم میمورنڈم اور ریزولیوشن کی زبان چھوڑ کر سیاسی قوت، سیاسی شعور، تنظیم اور ڈسپلن کی زبان استعمال کرنا سیکھ جائیں گے۔

بقیہ:- حضرت زینبؓ تاریخ کے آئینہ میں

سے شادی پر انتشار محسوس کیا تو یہ آیت نازل ہوئی

وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله ورسوله امرًا ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضلالًا مبینًا۔	(ترجمہ) اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مومن و مومنہ کو اختیار باقی نہیں رہ جاتا ان کے معاملہ میں جو خدا اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا وہ کھلا ہوا گمراہ ہے۔

(سورۂ احزاب آیت ۳۶)

(باقی آئندہ)

قارئین کرام سے ایک گذارش

موجودہ کاغذ کی گرانی اور ڈاک خرچ میں اضافہ کے باعث "تعمیر حیات" کی قیمت میں اضافہ ناگزیر ہوگیا ہے، تقریباً سب ہی روزناموں اور رسالوں نے اپنی قیمتوں میں اضافہ کردیا ہے، بدرجہ مجبوری ہم بھی نومبر ۱۹۶۸ء سے "تعمیر حیات" تیس۳۰ پیسے کے بجائے ۳۵ پیسے کررہے ہیں سالانہ چندہ آٹھ روپئے ہوگا۔ امید ہے کہ قارئین کرام اس معمولی اضافہ کو موجودہ گرانی کے پیش نظر بخوشی گوارہ فرمائینگے۔

"منیجر"

"تعمیر حیات" :- میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

صحت کا توازن...

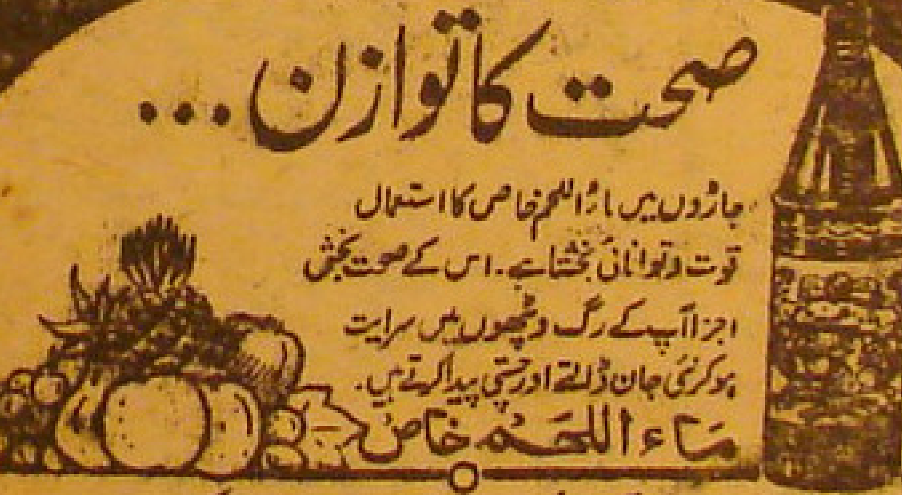

غذائیت اور توانائی سے بھرپور بہترین ٹانک

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

سول ایجنٹ

(۱) اودھ جنرل اسٹورس امین آباد لکھنو

(۲) ایم ایس ظہیر اینڈ سنس چمن گنج کانپور

گرگول واکر کیخلاف نفرت پھیلانے کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے

ری پبلکن لیڈر رام جی ساتھی کا مطالبہ

پس ماندہ طبقوں کو اب بیوقوف نہیں بنایا جاسکتا!

راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے سن چالک گول والکر کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کا مطالبہ آل انڈیا ری پبلکن پارٹی کے دو رہنماؤں شری رام جی رام (ایم پی) اور شری چھیدی لال ساتھی ایم ایل سی نے ایک مشترکہ بیان کے ذریعہ اس بنیاد پر کیا ہے کہ ان کی تقریروں سے ہندوستان کے مختلف فرقوں کے درمیان خوف اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔

ان دونوں رہنماؤں نے کہا کہ ہندوستان کو "ہندو راشٹر" کہنا نہ صرف ان فرقوں کی توہین کرنا ہے جو اس ملک میں بودوباش رکھتے ہیں بلکہ ہندوستان کی توہین کرنا ہے

دونوں ری پبلکن لیڈروں نے کہا کہ شری گول والکر کا کہنا ہے کہ جو لوگ تقسیم ہند کے ذمہ دار ہیں وہ سب غدار ہیں تو کیا ان کا مطلب یہ ہے کہ مہاتما گاندھی، سردار پٹیل، پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر راجندر پرشاد، اچاریہ نریندر دیو اور شری لال بہادر شاستری اور ایسے ہی دوسرے لوگ ہندوستان کے وفادار نہیں تھے؟ یا یہ سب ہندو نہیں تھے، محض اس لئے کہ انہوں نے تقسیم ہند کو روکنے کی سرگرم کوشش نہیں کی گول والکر اور ان کی آر ایس ایس ملک کی تقسیم کے وقت موجود تھی انھوں نے خود کیوں نہ تقسیم ہند کے خلاف ایک طاقتور تحریک چلائی؟ ان کی خاموشی اس کا ثبوت ہے کہ انھوں نے قومی مفاد کی طرف سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

مشترکہ بیان میں دونوں ری پبلکن لیڈروں نے کہا کہ مسلم حکمرانوں سے قبل لاتعداد چھوٹے چھوٹے بادشاہوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ پورا ہندوستان کسی وقت بھی ہندو راشٹر نہیں تھا، اسوقت ہندوستانیوں کو جو مختلف کلچروں کا مجموعہ ہیں تو ہندو قوم کہنا نہ صرف تنگ نظری ہے بلکہ حقائق و واقعات کے برعکس بھی ہے شری گول والکر کا صرف یہ مقصد ہے کہ اس طرح دعوؤں سے ہندو عوام کو گمراہ کریں۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ گول والکر نے آگاہی دی ہے کہ جو لوگ مسلمانوں، عیسائیوں اور دوسری اقلیتوں کی مدد سے حکومت بنانے کے خواہشمند ہیں ان کو ہندوؤں کی حمایت حاصل نہ ہوسکے گی شری گول والکر اور ان کی ٹولی کے اعلیٰ ذات کے لوگ ہزارہا سال تک پسماندہ طبقوں کی نمائندگی کا ڈھونگ رچاکر جنکی آبادی ۷۰ فیصدی ہے، ملک پر مسلط رہ چکے ہیں، وہ زمانہ گیا جب پسماندہ اور اچھوت طبقے خاموشی کے ساتھ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے اس حق کو تسلیم کرتے تھے کہ وہ ہمارے نمائندے ہیں پسماندہ طبقے اور اچھوت اب بیوقوف بننے کیلئے تیار نہیں ہیں اور اپنے نام نہاد اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کو ملک کا حکمراں نہیں بنا سکتے۔

شری گول والکر اور ان کی اعلیٰ ذات کی ٹولی نے ملک کی پچاس فیصدی آبادی کو کبھی انسان تک نہیں سمجھا۔ یہ صرف اچھوت لیڈر بابا صاحب ڈاکٹر امبیڈکر تھے جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار لندن میں ۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنس میں پس ماندہ طبقوں کے حقوق اس کمیونل ایوارڈ کے ذریعے دیئے گئے جو ۱۹۳۲ء میں برطانوی وزیر اعظم مسٹر میکڈانلڈ نے دیا تھا اور جسکو منسوخ کرانے کیلئے مہاتما گاندھی جی نے مرن برت رکھا تھا۔

مشترکہ بیان کے آخر میں کہا گیا ہے کہ پسماندہ اور اچھوت اقوام نے اب طے کرلیا ہے کہ وہ مسلمانوں، عیسائیوں اور ملک کی دوسری اقلیتوں کے ساتھ ملکر ان لوگوں کے ہاتھوں سے طاقت چھینیں گے جو اتنے طویل عرصے سے اقتدار کے مالک ہیں اور عوام کا خون چوس رہے ہیں۔

شری گول والکر اور ان کی ٹولی جو گائے کے بچانے میں بڑی دلچسپی رکھتی ہے اور اس کے لئے تحریک چلاتی ہے لیکن کچلے ہوئے عوام کے انسانی حقوق کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتی، اب عوام کو ہندو دھرم کے احیاء کے نام پر بیوقوف بنانے میں کامیاب ہوں گے

(قومی آواز لکھنؤ)

حالات و واقعات دار العلوم

● یکم نومبر ۱۹۶۸ء کو دار العلوم کے ممتاز فاضل جناب سید رئیس احمد صاحب جعفری کی اچانک وفات کی خبر یہاں انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی گئی، خبر ملتے ہی ان کے لئے دعائے مغفرت کا اعلان کیا گیا اور باقاعدہ ایصال ثواب کرایا گیا۔ جلسۂ تعزیت منعقد ہو لیکن امتحان سالانہ کی مصروفیات کی وجہ سے بہت منظم اور باقاعدہ اس کی اطلاع نہیں کی جاسکی، رئیس صاحب کی وفات سے ہند و پاک کی ادبی اور علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوگیا وہ بہت عرصہ تک محسوس کیا جاتا رہیگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائیں اور اہل تعلق و پسماندگان کو صبر جمیل بخشیں۔ آمین

● دار العلوم کے سالانہ امتحانات مورخہ ۹ر شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۸ء سے شروع ہوچکے ہیں، طلبہ اپنے اپنے امتحانات میں مشغول ہیں ۱۹ر شعبان ۸۸ھ تک امتحانات مکمل ہوجائیں گے اور اکثر طلبہ اپنے اپنے وطن روانہ ہوجائیں گے۔ دار العلوم میں رمضان المبارک کی تعطیل ۲۲ر شعبان سے شروع ہوکر ۹ر شوال کو ختم ہوجائے گی۔ مورخہ ۱۰ر شوال ۸۸ھ مطابق ۱۹۶۹ء کو دار العلوم باقاعدہ کھل جائے گا۔ اور نئے داخلے اور تعلیم کا آغاز ہوگا

● اس سال دار العلوم کی مالی حالت اور سالوں کی بہ نسبت بہت زیادہ قابل توجہ ہے اس لئے دار العلوم کے مخلصین و محبین اور عام مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ رمضان المبارک میں دار العلوم کے تعاون کی بیش از بیش کوشش فرمائیں اور سفراء و اساتذہ حضرات جو دار العلوم کی مالی امداد کے سلسلہ میں مختلف شہروں کا دورہ کریں گے، ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون فرمائیں۔